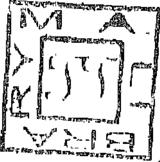


تاریخ زبان اردو

اردوئے قدیم

جسمیں

زبان اردو اور اسکے نظم و نثر کی مفصل تاریخ

اور ہر عہد کی ترقیوں کا تذکرہ۔ ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

کے عہد آخر تک شعرا اور مصنفین کے صحیح حالات تحریر ہیں

جسکو

شمس المورخین حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری

ممبر ایشیاٹک۔ ہسٹاریکل اینڈ نیومسماٹک سوسائٹیز

ماہر علوم آثار قدیمہ

نے عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی وغیرہ

زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے اخذ کرکے تالیف کیا۔ اور

باہتمام خاکسار وفا مدیر تاج

تاج پریس میں چھپکر شائع ہوئی

جناب فضیلت مآب

مولانا مولوی عبدالحق صاحب بی اے

سکرٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد

نمود این کتابِ تشکّر شعار
ز باشد ازمن یکے یادگار

خاکسار

حکیم سید شمس اللہ قادری

فہرست مضامین

سلطنت عادل شاہیہ

شعرائے دکن
مغلوں کے عہد حکومت میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفتم بہ کلیسیائے ترسا و یہود ترسا و یہود و جملہ را روئے تو بود
از شوق جمالِ تو بہ بُت خانہ شدم تسبیح بتاں زمزمۂ ذکر تو بود

شعرائے اُردو کی تذکرہ نویسی بارہویں صدی ہجری کے اخیر ایام سے شروع ہوئی ہے اور اُسوقت سے زمانہ حال تک ستّر اسّی تذکرے لکھے گئے ہیں لیکن ان سب کی ابتدا اُس عہد سے ہوئی ہے جبکہ ہندوستان کے دار السلطنت (دہلی) میں ریختہ گوئی کا آغاز ہوا اور اس سے پہلے جو شعرا سرزمین دکن میں گزرے ہیں انکے حالات نظر انداز کر دیئے ہیں۔ اِس فروگزاشت کا یہ نتیجہ ہوا کہ قدیم شعرا کے حالات ناپید ہو گئے اور تاریخ اُردو کا دورِ قدیم پردہ خفا میں مستور ہو گیا۔

آج سے کم و بیش پندرہ سال پہلے جب اُردو اور ہندی کی بحث چھڑی تو اُس کے ضمن میں اُردو کی قدامت اور عمومیت بھی معرض بحث میں آ گئی۔ حامیانِ اُردو نے ان مباحث پر جو مضامین شایع کئے اُنمیں دورِ قدیم بالکل مفقود نظر آیا۔ اِس کمی کو محسوس کر کے ہم نے ایک مضمون "قدیم شعرائے اُردو" کے عنوان سے لکھا اور اس میں اُن اُردو شعرا کے حالات اور اُن کی زبان کے نمونے درج کئے جو دہلی میں ریختہ کے رواج پانے سے پہلے سرزمین دکن میں گزرے تھے۔[۱]

[۱] ہمارا یہ مضمون سنہ ۱۹۱۹ء میں "لسان العصر لکھنؤ" کے تین نمبروں میں شائع ہوا ہے جسکے ۳۲ صفحات ہیں اور اسکی تقسیم موجودہ مضمون کی تقسیم سے کسیقدر مختلف ہے۔ پہلے حصہ میں عادلشاہی شعرا کا ذکر ہے اسکے تحت میں سب سے پہلے نصرتی اور ہاشمی اور شعرا کے حالات علی الترتیب ہیں اسکے بعد دوسرے حصہ میں قطب شاہی شعرا کا تذکرہ لکھا ہے جس میں سب سے پہلے ملا نوری، غواصی، نصرتی کا حال ہے تیسرے حصہ میں عاجز، وجدی اور ولی کے حالات ہیں اور سطح اسمیں کل دس شعرا کا تذکرہ آیا ہے

ہمارا یہ مضمون اگرچہ کہ نہایت مختصر اور ناکمل تھا مگر پھر بھی علمی حلقوں میں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا گیا اور مولانا حالیؒ و علامہ شبلی جیسے مشاہیر علما نے اُسے اپنی نوعیت کا پہلا مضمون قرار دیا۔ ان حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمت بلند ہوگئی اور ہم نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا تہیہ کرلیا اور ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اس کا سرمایہ بھی فراہم ہوگیا لیکن بعض دوسرے اُمور اور اتفاقی موانعات کے باعث اسکی ترتیب و تدوین نہوسکی اور اسی طرح ایک مدت گزر گئی یہانتک کہ ۱۹۲۲ء ختم ہونے کے قریب ہوگیا ڈسمبر میں مدیر تاج نے اس مضمون کو مکمل کرنے کی فرمائش کی۔ ہمنے کام شروع کردیا۔ اسی اثنا میں دارالمصنفین نے گلِ رعنا شایع کیا اور اسمیں ایک مستقل دور شعرائے دکن کا ہماری نظر سے گزرا لیکن ہم نے اُسے نہایت ناقص اور ناکمل پایا جسکے باعث مضمون مکمل کرنے کی مزید تحریک ہوگئی اور ہمارے پاس جس قدر سرمایہ جمع تھا اُسے اوراقِ ذیل میں منضبط کردیا اور یہ مضمون اب سابقہ گذشتہ مضمون سے چوگنا ہوگیا۔ مگر ہمارے رائے میں اب بھی یہ مضمون مکمل نہیں ہے کیونکہ ہم نے ایسے بہت سے شعرا اور نثر نگاروں کے حالات دانستہ قلم انداز کردیے ہیں جنکا عہد محتاجِ تصدیق ہے یا جن کی تصنیفات ہمیں ناقص دستیاب ہوئی ہیں اگر کچھ عرصہ ہم اس بارے میں سعی کرتے اور مضمون جلد ختم کرنے کیلئے مدیر تاج کا اصرار نہ ہوتا تو یہ مضمون کئی سو صفحات پر پھیل جاتا۔

ہم نے جب مضمون لکھنا شروع کیا تھا تو اُس وقت ہماری یہ رائے تھی کہ "لفظ اُردو لشکرگاہ کے معنی میں شہنشاہ بابر کے ساتھ ہندوستان میں آیا[1] اور اس کے ایک عرصہ بعد زبانِ اُردو کے لئے مستعمل ہوا" ہماری اس رائے کا ماخذ یول اور برنل کی لغات تھی لیکن بعد میں اس رائے کی غلطی ثابت ہوگئی۔ علاؤالدین جوینی کی تاریخ جہانگشاہی اور رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان اور اسکی اولاد

[1] دیکھئے مضمون ہذا کا صفحہ (۴)

کے زمانے میں مغلیہ بادشاہوں اور شہزادوں کے فرودگاہوں اور لشکرگاہوں کو اُردو کہا کرتے تھے یہانتک کہ اُنکا دارالحکومت بھی اُردو کہلاتا تھا۔

"وایں قاعدہ را در اُردو چنگیز خان بزرگ کردند" [1]

"مادرِ او قتائی بودہ از کنہ نام داو را در اردو چغتائی پروردند" [2]

"در ایام دولت او از مشرق تا مغرب و شمال و جنوب تمام امراء و حکام و عمال و نواب روئے با اردوئے او آوردند" [3]

"اوتگین خواست کہ بہ تغلب و تہور خانی بگیرد بدیں عزیمت با اردوئے قاآن رواں شد" [4]

در عہدِ دولت قاآن او را در اردوئے توراکینا خاتون آمد شدی بودی [5]

خروج چنگیز خان کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے زمانے سے سلطان محمد بن تغلق کے عہدِ حکومت تک مغلوں نے ہندوستان پر گیارہ حملے کئے اور کم و بیش سو سال تک ہندوستان کا شمالی خطہ ان کی تاخت و تاراج کا جولانگاہ بنا رہا اسی زمانے سے ہندوستان میں لفظ اُردو کا استعمال شروع ہوا اور یہاں بھی لشکرگاہ کو اردو کہنے لگے۔ مؤید الفضلا (جو فارسی کی ایک مستند لغت ہے اور بابر کی آمد سے ایک عرصہ پہلے سلطان ابراہیم کے عہد میں لکھی گئی ہے) ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں ہندوستان میں اسلامی لشکرگاہیں اُردو کہلاتی تھیں اور زبان اُردو کو اہلِ اُردو کی زبان کہا کرتے تھے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ایک مقام پر تحریر ہے :—

"در زبان اہلِ اُردو خوت خرا با نامند"

---

[1] جامع التواریخ جلد دوم صـ

[2] " " صـ ۱۳

[3] " " صـ ۲۵۳

[4] تاریخ جہانگشای جلد اول صـ ۱۹۹

[5] " " صـ ۲۰۰

ہاشمی بیجاپوری کے حالات میں یوسف زلیخا کے سال اختتام کو بیان کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے کہ "یہ مثنوی سکندر عادل شاہ کے اوائل عہد میں شاہ ہاشم کی وفات سے تریالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے"[1] اس تمام پر ہم سے سہو ہو گیا ہے عالمگیر نے ۱۰۹۷ھ کے اخیر ایام میں بیجاپور فتح کیا اور عادل شاہیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا[2] شاہ ہاشم نے ۱۰۵۹ھ میں انتقال فرمایا تھا[3]

اس لحاظ سے محولہ بالا عبارت اسطرح صحیح ہوتی ہے "یہ مثنوی انقراض سلطنت عادل شاہیہ کے ایک سال اور شاہ ہاشم کی وفات کے چالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے"

ملا قطبی کے حالات میں فارسی تحفۃ النصائح کا دوسرا شعر نقل کرنے میں غلطی ہو گئی ہے[4]۔ اور دوسرا مصرعہ چھوٹ گیا ہے۔ پورا شعر اسطرح ہے۔

عظمے بدادہ عرش را — پرّ ز بالش طائرے
چوں برقبائے چار حد — انگہ رسد پایہ دگر

ولی دکھنی کے حالات میں میر باقر آگاہ کی تصنیف ریاض الجنان کا نام غلطی سے مراۃ الجنان لکھا گیا ہے[5]

خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں تاریخ وصال درج ہوئی ہے لیکن سنہ چھوٹ گیا ہے جو ۸۲۵ھ ہے[6] حالانکہ اسی سنہ کو ہم نے ایک دوسرے موقع پر درج کیا ہے[7]

ان غلطیوں کے علاوہ بعض جگہ طباعت و کتابت کی چند اور غلطیاں ہیں جو چنداں اہم نہیں ہیں انہیں ناظرین بروقت مطالعہ بلا دقت درست کر سکتے ہیں۔

۱ه مضمون ہذا صفحہ ۸
۲ه ماثر عالمگیری ص ۲۷۷
۳ه مضمون ہذا ص ۲۴
۴ه مضمون ہذا ص ۵۸
۵ه مضمون ہذا ص ۸۹
۶ه ″ ″ ص ۲۳ سطر ۱۳
۷ه ″ ″ ص ۲۲ سطر ۴

(۱)

آریاؤں کی مقدس زبان سنسکرت کو جناب مسیحؑ سے صدیوں پہلے اختلاط ہوگیا تھا اور اس کی بجائے ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں مروّج ہوگئی تھیں جن کو پراکرت کہتے تھے۔

پراکرتوں کو کس زمانہ سے رواج ہوا ہے۔ اس کا سراغ لگانا دشوار ہے لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے پراکرت زبانوں کو رواج عام حاصل ہوگیا تھا بدھ اور جین مت[1] کی مذہبی زبان پراکرت تھی۔ سکندر کبیر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا ہے[2] تو اس وقت ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ راجہ اشوک[3] کے کتبے پراکرت میں کندہ ہوئے تھے

پروفیسر ویبر کی تحقیقات کے موافق چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کا ظہور ہوا ہے ہندوستان میں بیس سے زیادہ پراکرت بولی جاتی تھیں۔ لیکن ان میں ذیل کی پانچ پراکرت زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں۔

[1] بدھ اور جین مذاہب کے بانی مہابیر اور گوتم بدھ دونوں ہم عصر ہیں اور جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے گذرے ہیں۔

[2] سکندر کبیر نے ۳۲۶ ق م اور ۳۲۷ ق م کے مابین ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔

[3] راجہ اشوک نے ۲۷۲ ق م سے ۲۳۱ ق م تک حکومت کی ہے۔

(۱) پالی ۔ یہ زبان مگدھ میں (جسے آجکل بہار کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔ اسمیں بدھ مذہب کا مذہبی لٹریچر تھا جسکے باعث سیلون برہما اور سیام میں بھی پھیل گئی تھی۔

(۲) جینا پراکرت ۔ اسکی دو شاخیں تھیں ایک میں جین مت کی مذہبی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں۔ دوسری وہ ہے کہ جسمیں جین کی مذہبی کتابوں پر تفاسیر لکھے گئے تھے۔ یہ زبان جینا مرہٹی کہلاتی تھی۔

(۳) مہاراشٹری ۔ یہ زبان مہاراشٹر (جسے آجکل مرہٹواڑی کہتے ہیں) مروج تھی اور آرین و پارتھین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی

(۴) سورسینی ۔ یہ زبان علاقہ برج میں (جسے آجکل متھرا کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔

(۵) مگدھی زبان پالی کے علاوہ تھی اور علاقہ مگدھ میں اس کا رواج تھا

پراکرت آریہ قبائل کی زبانیں تھیں اور سنسکرت کے تغیر سے بنی تھیں۔ انکے علاوہ جنوب میں دریائے کرشنا کے نیچے ڈراویڈین اقوام کی متعدد زبانیں مروج تھیں۔ مثلاً تلنگی، کنڑی، تامل، ملیالم وغیرہ یہ زبانیں نہ صرف پراکرت بلکہ سنسکرت سے بھی قدیم تھیں اور تورانی السنہ سے ان کا تعلق تھا۔

سورسینی یا برج بھاشا

سورسینی کا مرکز برج تھا جس کے باعث اس کو برج بھاشا بھی کہا کرتے تھے۔ بہ نسبت دوسری پراکرتوں کے برج بھاشا کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ بہار سے سندھ اور لاہور سے نالدہ تک

بولی جاتی تھی اور حضرت مسیحؑ کے ظہور سے پہلے اُس کو ایک شائستہ زبان کا درجہ حاصل ہو گیا تھا وراروچی نے جو راجہ وکرما دیتہ[1] کا درباری عالم تھا اس کی گرامر (صرف و نحو) کو مدون کیا تھا[2]۔ اور اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب تھی

زمانہ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے

اردو کا منبع و مخرج برج بھاشا

کہ زبانِ اُردو کا منبع و مخرج برج بھاشا ہے اور اسکی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ تیرہ چودہ پندرہ اور اسی قبیل کے اور بہت سے الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں وراروچی نے انہیں اپنی گرامر میں بجنسہ بیان کیا ہے[3]۔ مسلمان فاتحوں سے جب ہندوؤں کا میل جول ہوا تو برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اصل ہیئت بدل گئی جسکے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا اور یہ جدید زبان سلاطین مغلیہ کے دور میں زبانِ اُردو کے نام سے موسوم ہوئی

لفظ اردو کی تحقیق

اُردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور لشکرگاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یک شمہ بہ ایوانِ تو خورشید منور
یک خیمہ در اُردوئے تو گردونِ معلی

اہل تاتار تاتار خان کے لشکرگاہ کو اردو کہا کرتے تھے[4] چنگیز خان

[1] راجہ وکرما دتیہ اوجین کا مشہور راجہ ہے۔ مشہور شاعر کالیداس اسی کا درباری شاعر تھا۔ جناب مسیحؑ سے چھپن سال پہلے اس نے باختر پر حملہ کیا ہے۔
[2] وراروچی کی گرامر پراکرت پرکاش کے نام سے مسٹر کاویل نے ۱۸۶۸ء میں بمقام لندن چھپوائی ہے۔
[3] دیکھو پراکرت پرکاش فصل اول فقرہ نہم فصل دوم فقرہ چہل و چہارم۔
[4] جامع التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۷ حاشیہ۔

کے بیٹے جوجی خان کی اولاد نے دشتِ قپچاق اور روس و بلغار میں ایک وسیع حکومت قائم کرلی تھی۔ اسکے حکمران جب کسی مہم پر مستقر سے روانہ ہوتے تو زریں خیموں میں قیام کیا کرتے تھے۔ اور اس کے باعث ان کی لشکرگاہیں اُردوئے مطلا کہلاتی تھیں اور خود خوانین اُردوئے مطلا کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے[1]

اُردو کا لفظ لشکرگاہ کے معنی میں شہنشاہ بابر ۹۳۲ھ کے ساتھ ہندوستان میں آیا ہو[2] سلاطین مغلیہ کے درباری مورخ اس لفظ کو شاہی لشکر اور شاہی فرودگاہ کے لئے استعمال کرتے ہیں[3]۔ لشکرگاہوں میں جو سکے مضروب ہوئے ہیں اُن پر دارالضرب کا نام اُردو مسکوک ہے[4]

---

[1] خوانین اُردوئے مطلا ۱۲۴۱ء سے ۱۵۰۲ء تک برسرحکومت رہے ہیں انکی تین شاخیں تھیں (۱) خاندان باتوخان ان کا دارالحکومت سرائے دریائے والگا پر آباد تھا۔ (۲) خاندان تغاتیمور تاتار میں انکی حکومت تھی اور غازان انکا مستقر تھا (۳) خاندان شیبانی ان کو ازبک بھی کہتے ہیں۔ ابتداءً کرغیز میں انکی حکومت تھی۔ پھر خیوا اور بخارا میں آکر برسرحکومت ہوگئے تھے۔ شرف الدین علی یزدی کے ظفرنامہ پر شاہرخ کے زمانہ میں جو مقدمہ لکھا گیا اسمیں ان خاندانوں کے مفصل حال ہیں اور غیاث الدین خوندمیر نے حبیب السیر جلد سوم جزو اول ص۲۳ میں ان کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔

[2] بابر نے ۹۳۲ھ میں ہندوستان کو فتح کیا ہے اور فتح دہلی و آگرہ کے جو فتح نامے اطراف واکناف میں روانہ کئے تھے اسمیں اپنے لشکر کو اُردوئے نصرت شعار کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ دیکھو بابرنامہ مطبع قازان ص۳۱۲

[3] طبقات اکبری ص۱۸۵ ص۲۱۳ ص۲۱۵ ص۳۲۷ اقبال نامہ جہانگیری ص۲۰۹

[4] بابر کے ایک سکہ پر جو ۹۳۷ھ میں مضروب ہوا ہے ضرب اُردو مسکوک ہے (فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ پنجاب میوزیم لاہور مرتبہ مسٹر وائٹ ہیڈ) شہنشاہ اکبر نے اجمیر ۹۸۲ھ اور پنجاب ۹۸۸ھ کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے ان پر دارالضرب کا نام اردوئے ظفر قرین ثبت ہے (فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ انڈین میوزیم جلد سوم) جہانگیر نے جلوس کے گیارھویں سال ۱۰۲۵ھ میں مالوہ کی جانب سفر کیا اور دوران سفر میں جو سکے مضروب کرائے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے اور یہ دارالضرب "اردو در راہ دکن" کے نام سے موسوم ہوا ہے (فہرست سکہ جات پنجاب میوزیم نمبر ۱۲۰۰) سکہ زد در راہ دکن شاہ بحر و بر شہنشاہ زمانہ شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر
جہانگیر نے جلوس کے بائیسویں سال (۱۰۳۶ھ) کشمیر کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے ان پر حسب ذیل بیت کندہ ہے (نیومسماٹک سپلیمنٹ نمبر اول آرٹیکل ۴ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابتہ ۱۹۰۴ء)

باد روان تا کہ بود مہر و ماہ — سکۂ اردوئے جہانگیر شاہ

اکبر ۹۶۳ھ – ۱۰۱۴ھ کے زمانے سے شاہی لشکر اور دار الحکومت کے لشکر گاہ کو اُردوئے معلی کہا کرتے تھے۱؎۔ اور اس کا بازار اُردو بازار کہلاتا تھا۔

اُردو عام طور پر مغلیہ اردو یعنے لشکر گاہوں میں بولی جاتی تھی جس کے باعث اس کا نام زبانِ اُردو یعنے اہل لشکر کی زبان شہرت پایا اور بعد میں کثرت استعمال سے لفظ زبان حذف ہو گیا۔ اور عام طور پر اُردو کہنے لگے۲؎۔

اُردو کا دوسرا نام زبانِ ریختہ ہے۔ قدماء نظم اُردو کو ریختہ کہا کرتے تھے۳؎۔ ولیؔ دکھنی کے ایک شعر میں آیا ہے۔

یہ ریختہ ولیؔ کا جا کر اُسے سنا دو
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

لغت میں گری پڑی چیز کو ریختہ کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ کمال خجندی کا ایک شعر ہے

خونم چو شود ریختہ مستی کند آن چشم
از ریختہ ذوق است و طرب در سر ہندو

لیکن شعرائے فارسی کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا زیادہ زبانوں سے مخلوط ہو۴؎۔ قدمائے اردو کا کلام فارسی اور ہندی سے مخلوط ہوا کرتا تھا جس کے باعث ریختہ کے نام سے شہرت پایا اور بعد میں یہ لفظ اسقدر عام ہوا کہ ہر قسم کی نظم اُردو پر ریختہ کا اطلاق ہونے لگا اور اسی مناسبت سے زبان کا نام بھی زبانِ ریختہ مشہور ہو گیا۔

۱؎ طبقات اکبری ص۳۱۶ و ص۳۱۷
۲؎ گلستان سخن ص۶۵ سید انشاء اللہ خاں نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ "خوش بیانان آنجا (دار الخلافہ شاہ جہاں آباد) متفق شدہ از زبان ہائے متعدد الفاظ دلچسپ جدا نمودہ و در بعضے عبارات و الفاظ تصرف بکار بردہ زبانے تازہ سوائے زبانہائے دیگر بہم رسانیدند و بہ اردو موسوم ساختند۔"
۳؎ تحقیق زبان ریختہ ص۳
۴؎ بہار عجم جلد دوم ص۱۴۱

(۲)

ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے

امیر المومنین حضرت عمر الفاروقؓ ۱۳ھ تا ۲۳ھ کے زمانے سے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے شروع کئے۔ ۱۵ھ میں عثمان بن عاص الثقفی نے جو عمان و بحرین کے حاکم تھے سواحل سندھ پر حملہ کیا۔ ان کے جنگی جہاز بمبئی کے قریب تانہ پر لنگر انداز ہوئے۔ اس کے چند ماہ بعد انہوں نے دو اور مہم ہندوستان کی جانب روانہ کئے۔ جنکے افسران کے دو بھائی مغیرہ اور حکم تھے۔ مغیرہ نے دیبل پر اور حکم نے بھروص بھروچ پر یورش کی۔ لیکن ان کا کوئی کامیاب نتیجہ نہیں نکلا۔ ۲۲ھ میں جب ایران فتح ہو گیا اور مسلمان عراق سے خراسان تک تمام ممالک پر قابض و متصرف ہو گئے ایران کے وہ ممالک جو ہندوستان سے ملے ہوئے تھے۔ جیسے مکران و سیستان وطخارستان و زابلستان وغیرہ حضرت عثمانؓ ۲۳ھ تا ۳۵ھ کے زمانہ میں مفتوح ہوئے اسکے بعد ہندوستان پر اسلامی حملوں کا آغاز ہوا۔ ۴۴ھ میں امیر مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے راستے سے ہندوستان پر حملہ کیا اور تاخت و تاز کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا۔ اس مہم میں ملتان سے کابل تک تمام ملک اسلامی تصرف میں آگیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بیس سال تک سندھ پر متعدد حملے کئے۔ اور بہت سے سرحدی اور ساحلی مقامات کو فتح کر لیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان ۶۵ھ تا ۸۶ھ کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا

گورنر مقرر ہوا تو اس نے سندھ پر کئی مہم روانہ کئے لیکن ان میں ۹۳ھ کی مہم نہایت کامیاب ہوئی[1]۔ اس کا افسر محمد بن قاسم تھا جس نے سب سے پہلے ارل کو فتح کیا۔ پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور محمد قاسم نے ملک کے اندر قدم بڑھانا شروع کیا۔ ۹۶ھ تک برہمن آباد، الور اور ملتان فتح ہو گئے اور سندھ پر مسلمانوں نے بالاستقلال قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد محمد قاسم معزول ہو کر دربار خلافت میں چلا آیا اور اسکے بجائے تمیم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔

[illegible] فارسی اور انگریزی مورخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہو گئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ (۲۲۲ھ–۲۳۲ھ) کے زمانہ تک دربار خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہو کر آتے تھے اور منصورہ انکا مستقر حکومت تھا۔ جب خلافت بغداد کو انحطاط شروع ہوا تو سندھ میں خلفاء کی حکومت برائے نام رہ گئی اور ملک میں عربوں کے جو قبائل آباد تھے انکے سرداروں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں۔ یہ حکومتیں کشمیر کی سرحد سے بحر فارس اور سیستان و مکران تک پھیلی ہوئی تھیں اور انکے حکمران سلاطین غزنویہ کے تسلط تک تک سندھ پر قابض و متصرف تھے۔

---

[1] ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۹۵

۳

ہندوکش کے شمال میں پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے اسلامی حکومت قایم ہوگئی تھی۔ لیکن پانچویں صدی تک مسلمانوں نے اس کے نیچے اپنی عملداری وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سنہ ۳۲۲ھ میں الپتگین نے جو سلاطین سامانیہ کا ترکی غلام تھا غزنین میں ایک مستقل حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ حکومت ایسے ملک میں قایم ہوئی جو ہندوستان و خراسان کے بیچ میں واقع تھا اور یہاں سے باسانی ہندوستان میں آمد و رفت ہوسکتی تھی۔ اس وقت پنجاب میں راجہ جے پال حکمران تھا۔ اسکی حکومت نیلاب (دریائے سندھ) کے شمال میں اسلامی مقبوضات تک پھیلی ہوئی تھی۔ سبکتگین (۳۶۶ھ تا ۳۸۷ھ) جو الپتگین کا جانشین تھا۔ راجہ کیساتھ وادیٔ لمغان میں دو لڑائیاں کیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نیلاب تک راجہ کا ملک مسلمانوں کے تصرف میں آگیا۔[1]

سبکتگین کے بعد سلطان محمود (۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ) برسرِ حکومت ہوا۔ اس کے زمانہ سے ہندوستان کی اصلی فتوحات شروع ہوتی ہیں۔ اس نے سنہ ۳۹۲ھ سے ۴۱۵ھ تک (۱۰۰۱ تا ۱۰۲۴) ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔[2] اور نیلاب کو عبور کرکے جنوب میں کوہستان ہمالیہ پچل تک اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا چلا گیا

---

[1] فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۰ الفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۱۲

[2] ان حملوں کے مفصل حالات طبقات اکبری، تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ اور الفنسٹن ہسٹری میں تحریر ہیں۔

اُسکی فتوحات کے انتہائی مقام مشرق میں کالنجر اور مغرب میں سومنات تھے پہلا مقام تجنس (دریائے گنگا) کے نیچے بندیل کھنڈ میں اور دوسرا گجرات میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ محمود نے سنہ ۴۰۹ھ میں قنوج و متھرا کو فتح کیا[۱] سنہ ۴۱۳ھ میں کالنجر کے راجہ کو مطیع و منقاد بنایا[۲]۔ سنہ ۴۱۶ھ میں گجرات دارالسلطنت نہروالہ پٹن کو فتح کرکے سومنات کو تاخت و تاراج کیا[۳]۔ محمود کے بعد اسکی اولاد کے قبضہ سے مفتوحہ ممالک کا بہت حصہ نکل گیا۔ لیکن پنجاب پر انکا قبضہ بدستور قایم رہا۔

اس زمانہ میں آل شنسب کو عروج حاصل ہوا اور بہرام شاہ (۵۱۲ھ - ۵۴۷ھ) کے زمانہ میں غزنین پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ اس وقت آل سبکتگین کے ہاتھ میں صرف پنجاب کی حکومت باقی رہ گئی۔ بہرام شاہ نے غزنین سے نکلکر پنجاب میں سکونت اختیار کی اور لاہور کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اسکے بعد اسکے دو جانشین خسرو شاہ (۵۴۷ھ - ۵۵۵ھ) اور خسرو ملک (۵۵۵ھ - ۵۸۳ھ) کم و بیش چھتیس سال تک لاہور میں حکومت کرتے رہے سنہ ۵۸۳ھ میں محمد بن سام نے جسکا لقب شہاب الدین غوری ہے لاہور کو فتح کرلیا[۴] آل سبکتگین کا خاتمہ ہوگیا اور پنجاب آل شنسب کے تصرف میں آگیا۔

اسکے بعد محمد سام نے ہندؤوں سے لڑائی جھگڑے شروع کئے اسوقت ہندوستان میں چار خاندان حکمران تھے۔ تومرا دہلی میں

---

[۱] طبقات اکبری ص۸ فرشتہ جلد اول ص۲۹
[۲] طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۱
[۳] طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۲
[۴] طبقات اکبری ص۱۸

چوہان اجمیر میں راٹھور قنوج میں یا گھیلے گجرات میں۔ دہلی کا راجہ اننگ دیو جب لاولد مرگیا تو اسکا نواسہ رائے پتھورا جو اجمیر کا راجہ تھا دہلی میں برسر حکومت ہوا۔ اور اسطرح پر تومرا خاندان کی حکومت چوہان خاندان میں منتقل ہوگئی ۱؎

محمد بن سام نے فتح لاہور کے بعد جب ہندوؤں پر حملہ کیا تو رائے پتھورا نے لڑا اور اسکو پسپا کردیا۔ لیکن اسکے دو سال بعد ۵۸۹ھ میں بمقام تھانیسر اس نے فتح حاصل کی اور راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ اجمیر اور دہلی مسلمانوں کے تصرف میں آگئے۔ اسکے بعد ۵۹۲ھ میں قنوج مفتوح ہوا۔ اس اثنا میں اودھ اور بہار بھی مسخر ہوگئے۔ غرض کہ سندھ سے بنگالہ تک اور لاہور سے بیانہ تک تمام ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ سنہ ۶۰۲ھ میں دریائے نیلاب کے پاس ملاحدہ اسمٰعیلیہ نے محمد سام کو شہید کردیا ۲؎۔ اسکے بعد اسکی سلطنت اسکے غلاموں میں تقسیم ہوگئی۔ تاج الدین یلدوز غزنین میں ناصر الدین قباچہ سندھ میں قطب الدین ایبک دہلی میں بہاء الدین طغرل بیانہ میں خود مختار ہوگئے۔ طغرل کی وفات کے بعد بیانہ قطب الدین ایبک کے قبضہ میں آگیا جسکے باعث دہلی کی عملداری جنوب میں نربدا تک پہنچ گئی۔ اسی زمانہ میں ملک اختیار الدین خلجی کی کوشش سے بنگالہ بھی فتح ہوگیا۔ التمش کے زمانہ میں جب تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا خاتمہ ہوا تو انکے ممالک بھی سلطنت دہلی میں شامل ہوگئے۔

بہمندی شان زعامی بہار و بنگال سلطنت اسلامیہ میں شامل ہوگیا

۱؎ الفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۲۵

۲؎ دول الاسلام ذہبی صفحہ ۸۱ جلد دوم

[illegible]

التمش کے جانشینوں نے توسیع سلطنت کی بہت کم کوشش کی لیکن جب انکی حکومت خلجی خاندان میں منتقل ہو گئی تو سلطان علاؤالدین محمد خلجی (۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء) نے دکن کی جانب پیش قدمی کی ۱۳۰۶ء میں دیوگڑھ فتح ہوا ۱۳۰۹ء میں ورنگل اور ۱۳۱۰ء میں کرناٹک مفتوح ہوئے اس آخرالذکر فتح کی بدولت مسلمان انتہائے جنوب میں بندر راميشورم تک پہنچ گئے اور وہاں سلطان علاؤالدین کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی گئی جو جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھی [1]

سلطان علاؤالدین خلجی (۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء) کے زمانہ سے ملک دکن سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا اور اس کے بعد قریباً چالیس سال تخت دہلی سے اس کا تعلق قایم رہا۔ محمد بن تغلق (۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء) کے زمانہ میں امرائے دکن نے بغاوت کی جس کے باعث دہلی کی حکومت سے دکن آزاد ہو گیا۔ اور یہاں ۱۳۴۶ء کے قریب ایک نئی سلطنت بہمنیہ (۱۳۴۶ء ۹۳۳ھ) قایم ہو گئی جسکے فرمانروا کم و بیش دوسو سال تک حکمران رہے۔ نویں صدی سے اس کو بھی انحطاط شروع ہوا۔ اور پچاس سال کے اندر ملک کو مختلف سرداروں نے تقسیم کر لیا اور ایک سلطنت کے عوض پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قایم ہو گئیں۔

---

[1] فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۱۹ — الفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۸۰

(۴)

عربوں کے دورِ حکومت میں سندھ کی اسلامی آبادی

جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے سندھ کے فاتحین عرب کے مسلمان تھے یہ لوگ جب سندھ میں آئے تو اپنے ساتھ عربی زبان اور عربی تمدن لیتے آئے اور اسے ملک میں اس قدر پھیلایا کہ سندھ شام و عراق کا نمونہ بن گیا سندھ میں کم و بیش پانسو سال اُنکی حکومت رہی ہے اس عرصہ میں عراق و عرب کے سینکڑوں قبائل نے آکر سندھ میں سکونت اختیار کرلی اور یہاں کے باشندوں کیساتھ اسقدر اختلاط بڑہا یا کہ دونوں میں امتیاز کرنا اجنبی کے لئے دشوار ہوگیا۔ ابن حوقل[1] جو چوتھی صدی کا مشہور سیاح ہے جب سندھ میں آیا تو دیکھا کہ یہاں کے ہندو مسلمان ہر دونوں کی ایک سی معاشرت ہے دونوں ایک زبان بولتے ہیں سندھ میں عربی ہندی بولی جاتی ہے ملتان میں ملتانی اور فارسی کا رواج ہے

آلِ سبکتگین کے زمانہ میں پنجاب کی اسلامی آبادی

آلِ سبکتگین اور سلاطین غزنویہ کے زمانہ میں جو مسلمان ہندوستان میں آئے تھے وہ ترک مغول اور افغان تھے ابتدا میں ان کا مرکز حکومت لاہور تھا اور یہاں سلطان محمود کے زمانہ سے سپہ سالار رہا کرتے تھے ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری (المتوفی ۴۶۵ھ) و فخر الزہاد شیخ فخرالدین زنجانی جو مشاہیر مشایخ صوفیہ سے تھے اس زمانہ میں لاہور میں آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے مسعود سعد سلمان۔ ابوالفرج رونی ابوعبداللہ النکتی

[1] ابن حوقل نے ۳۳۱ھ سے ۳۵۷ھ تک بلاد اسلامیہ میں سفر کیا ہے اور ۳۶۶ھ میں اپنا سفرنامہ مدون کیا ہے جس کا نام المسالک الممالک ہے اور اسے دیخویہ نے ۱۸۷۳ء میں چھاپکر شایع کیا ہے ۱۲

اور حمید الدین مسعود جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اسی زمانہ میں لاہور میں پیدا ہوئے تھے مشہور ادیب ابو نصر فارسی لاہور میں رہا کرتا تھا اور اس نے ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا جو صدیوں قایم رہا اور اس میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

[illegible]

جانشینان محمد بن سام کے زمانہ میں اجمیر دہلی بدایون بہار لکھنوتی وغیرہ بھی مسلمانوں کے مرکز قرار پائے۔ اور جس قدر مقامات فتح ہوتے گئے وہاں بڑے بڑے اکابرین اور ان کے مرید و معتقدین نے بھی سکونت اختیار کی۔ اس طرح سو سال کے اندر اندر پنجاب سے بنگال تک اور لاہور سے کرشنا تک مسلمان تمام ملک میں پھیل گئے۔ اور ان کے ساتھ انکا مذہب ان کا تمدن اور ان کی زبان بھی پھیل گئی۔ چنانچہ ابن بطوطہ[1] جو ساتویں صدی کا مشہور سیاح ہے ہندوستان میں آیا اور اس سرے سے اس سرے تک ملک کا سفر کیا تو اس نے تمام ملک کو اسلامی آبادی اور اسلامی آثار سے معمور و مملو پایا۔

[illegible]

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنا تمدن اور اپنی زبان ساتھ لائے لیکن مفتوح اقوام پر اس کا ایسا گہرا اثر نہیں پڑا جیسا کہ مصر و ایران میں پڑا تھا۔ ان ممالک میں اسلامی تمدن اور اسلامی زبان نے قدیم تمدن اور قدیم زبان کو نابید کر دیا۔ اسکے خلاف ہندوستان

[1] ابن بطوطہ آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے ۷۳۴ھ کو سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان میں آیا اور دس سال یہاں رہ کر ۷۴۳ھ میں چین کو چلا گیا۔ اس کا سفر نامہ فرنچ ترجمہ کیساتھ ڈی فریمری نے ۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۸ء میں بمقام پیرس چھپوایا ہے۔

میں مفتوحین کا اثر فاتحین پر پڑا لیکن فاتحین کا تمدن ایسا نہ تھا کہ وہ مفتوحین کے تمدن میں ضم ہو جاتا۔ اسلئے دونوں تمدن کے ملنے سے ایک تیسرے تمدن کا ظہور ہوا۔ یہی کیفیت زبان کی نسبت پیش آئی۔ فاتحین اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نہ کر سکے لیکن ہندوؤں کی زبان بھی انکی عام زبان نہ ہو سکی۔ بلکہ دونوں اقوام کی زبانوں کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اُردو کے نام سے مشہور ہے۔

اُردو زبان عربی اسلامی اور ہندی زبانوں کے اختلاط سے بنی ہے

فاتحین اسلام بالعموم فارسی زبان بولتے تھے لیکن انکی فارسی خالص فارسی نہ تھی۔ بلکہ اسمیں عربی کے ہزاروں الفاظ شامل ہو گئے تھے ہندوستان کی زبانوں میں برج بھاشا (سوراسینی) اگرچہ دوآبہ[1] کی زبان تھی لیکن پانچویں صدی ہجری تک اسکی حدود وسعت ہو گئی تھی۔ بہار سے پنجاب اور پنجاب سے مالوہ تک بولی جاتی تھی اور اس اعتبار سے ملک کے اوس خطہ کی عام زبان تھی۔ جہاں سب سے پہلے اسلامی حکومت قایم ہوئی۔ مسلمان آباد ہوئے اور اسلامی تمدن نے نشو ونما پائی مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جسکے باعث اسمیں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مصنفین سلف کی رائے

برج بھاشا کا یہ تغیر کب سے شروع ہوا اور اُردو زبان کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اسکی نسبت مصنفین سلف نے اختلاف کیا ہے۔

[1] دوآبہ۔ اس علاقہ کو کہتے ہیں جو گنگا جمنا کے مابین واقع ہے۔

سر سید احمد خان نے آثار الصنادید (تالیف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء) کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ:-

"اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوا تھا مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے۔ پھر جب ہی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں ہی کے زمانہ سے یعنی حضرت مسیح کی تیرہویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کیے تھے اور کچھ پہیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں ایسی زبان میں کہی تھیں جن میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے۔ غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو۔ مگر ایسا نہ تھا جس کو جدا زبان کہا جائے۔

جب کہ شاہ جہان بادشاہ نے ۱۰۵۸ ہجری مطابق ۱۶۴۸ عیسوی میں شہر شاہجہان آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بسبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدل ہو گیا غرض کہ لشکر بادشاہی اور اردوئے معلیٰ میں ان دونوں زبان کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا۔ بہ کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تخمیناً سنہ ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ عیسوی یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ریختہ کہنا شروع ہوا۔"[1]

میر امن دہلوی نے باغ و بہار (تالیف ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:-

"جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آ کر جمع ہوئے لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوئی۔"[2]

مولوی عبد الغفور خان نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ (تالیف ۱۲۷۵ھ) میں لکھا ہے کہ:-

---

۱۔ آثار الصنادید۔ طبع نامی پریس کانپور ۱۹۰۴ء [illegible]

۲۔ باغ و بہار۔ طبع لندن ۱۸۹۹ء۔ ص۔

"زبانِ اُردو روزمرہ شہر دہلی کو کہتے ہیں۔ اس شہر میں قدیم الایام سے ہر ایک زبان ہندی مروج تھی۔ ہر شخص اُسی زبان میں کلام کرتا تھا۔ جب ۵۸۸ھ میں سلطان معز الدین مشہور بہ شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر چڑھائی کی اہلِ ہند کو شکست دی۔ راجہ پتھورا کا کام تمام کیا۔ تمام ملک ہند سلاطین غزنیہ کے قبضۂ اختیار میں آیا۔ رفتہ رفتہ زبان قدیم میں لفظ فارسی عربی و ترکی ملتا گیا جب محمد شاہ بن تغلق شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو باشندگان دہلی پر یہ ایک تازہ ظلم کیا کہ اُن کو شہر میں رہنے نہ دیا۔ دیوگیر معروف بدولت آباد میں بھیج دیا۔ اور پھر قبل اپنی سلطنت کے زوال کے ان لوگوں کو دہلی میں بلا لیا۔ اس نقل و حرکت کے باعث بہت سے الفاظ دکھنی بھی زبان دہلی میں مل گئے۔ یہی انداز گفتگو آخر عہد جہانگیر بادشاہ تک رہی لیکن جب شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ میں شاہ جہاں آباد کو آباد کیا تو شاہ جہاں آباد میں اطراف و جوانب عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ مجتمع ہو قدیم ہندی متروک ہونے لگی۔ محاورے میں فرق ہونے لگا۔ زبان اردو کی ترقی شروع ہوئی۔ [1]"

مرحوم سرسید کا بیان ہے کہ شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) کے زمانہ تک برج بھاشا میں کوئی تغیر نہیں ہوا جب شاہ جہاں آباد آباد ہوا تو وہاں کے شاہی لشکر اور اردوئے معلی میں برج بھاشا اور فارسی کی ترکیب سے اُردو زبان پیدا ہوئی۔ اسکے برخلاف میر امن دہلوی کہتے ہیں کہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں اسکی ابتداء ہوئی ہے۔ دونوں کے برخلاف مولانا ناسخ کا بیان ہے کہ محمد بن سام (۵۸۹ھ تا ۶۰۲ھ) کی فتوحات کے بعد اور محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کی تخت نشینی سے پہلے اردو کی بنیاد پڑی ہے۔

اردو کی ابتدا کے متعلق

یہ بیانات مقامی مصنفین کے تھے۔ اب ہم یورپین مستشرقین کی تصریحات کو بیان کرتے ہیں۔

مسٹر بیمز نے اپنے گرامر میں لکھا ہے کہ فتح ہندوستان کے بعد عرصہ دراز

[1] رسالہ تحقیق زبان ریختہ طبع ۱۸۹۰ء حصہ ۳ و صہ ۴

تک مسلمانوں نے فارسی کو اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا مسلمان مدت تک فصیح ہندی بولنے کے عادی تھے اور انہوں نے ہندی میں فارسی الفاظ کو نہیں ملایا تھا۔ اکبر (سنہ ۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء) کے زمانہ میں جب راجہ ٹوڈرمل نے طریق مالگزاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے اس زمانہ سے ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش شروع ہوئی اور اسطرح پر ایک جدید زبان اردو کی بنیاد پڑی ۔ ۱؎

اردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے ہندوستانی فیلالوجی میں ایک مسلمان مورخ کی سند پر لکھا ہے کہ جب تیمور (سنہ ۸۰۰ھ) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت سے اردو کی بنیاد قائم ہوئی ۔ ۲؎

مشہور مستشرق کولبروک کی رائے میں پندرھویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) کے اخیر ایام سے برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اس نے ترقی پاکر ایک جدید زبان کی صورت اختیار کرلی ۔ ۳؎

ڈاکٹر ونٹرنٹز کا (جسے جرمن میں ادبیات ہندوستان کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے) بیان ہے کہ بارہویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو عربی فارسی الفاظ برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس تغیر کے باعث سولہویں صدی (گیارہویں صدی) تک ایک نئی زبان پیدا ہوگئی ۔ ۴؎

(1) BEAMES - A COMPARATIVE GRAMMAR OF THE MODERN ARYAN LANGUAGES OF INDIA PP. 15

(2) DR GILCHRIST HINDOSTANI PHILOLOGY

(3) COLEBROOKE - ASIATIC RESEARCHES. VOL. VII. P.P 220

(4) DR WINTERNITZ GESCHICHTE DER INDISCHEN LITTERATUR PP 139

آلِ سبکتگین کے زمانہ میں اردو کی ابتدا ہوئی ہے

اوپر جو اقتباسات درج ہوئے ہیں ان سے صحیح نتیجہ کے اخذ کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہے کیونکہ ان مصنفین نے عدم واقفیت کے باعث اردو کی اس سرگزشت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اسکی وجہ سے ان کی تصریحات نہایت ناقص اور متضاد ہوئی ہیں۔

تاریخ زبانِ اردو کا یہ تاریک حصہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اگر روشنی میں لایا جائے اور اسکی بنیاد پر اردو زبان کی عہد بعہد ترقیاں مطالعہ کیجائیں اور اسکے بعد اس کی تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو ایسی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ آلِ سبکتگین کے زمانہ میں اردو زبان کی ابتدا ہوئی ہے۔

سلطانِ محمود کے مقبوضات وسطِ ایشیا میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ماوراء النہر۔ خوارزم۔ خراسان۔ اور فارس کا بہت بڑا حصہ اسکی سلطنت میں شامل تھا۔ لیکن مسعود بن محمود (۴۲۱ھ تا ۴۳۲ھ) کے زمانہ میں آلِ سلجوق نے تمام ملک چھین لیا[۱]۔ اور مودود بن مسعود (۴۳۲ھ تا ۴۴۱ھ) تک جب برسرِ حکومت ہوا تو صرف افغانستان و ہندوستان آلِ سبکتگین کے قبضہ میں باقی رہگئے تھے۔ مسعود کے اعیان و امراء اور دیگر متوسلین جو وسطِ ایشیا میں رہتے تھے آلِ سلجوق کی تاخت و تاز میں بے خانماں ہوگئے تو ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور یہاں کی مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ان نوواردوں نے ہندوؤں کے ساتھ بہت جلد میل جول پیدا کرلیا اور یہاں کی زبان بھی سیکھ لی اور اسمیں اسقدر کمال حاصل کیا کہ اہلِ زبان ہوگئے۔ چنانچہ

[۱] روضۃ الصفا جلد چہارم صـ۱۰۱

مسعود سعد سلمان اور ابو عبداللہ الکتی جو سلطان ابراہیم (۴۹۲ تا ۴۵۱ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر ہیں ہندی میں بھی شعر کہا کرتے تھے اور اپنے ہندی کلام کے دواوین بھی مرتب کئے تھے ۔[۱]

سلطان محمود کے دربار میں بہت سے ہندو ملازم تھے۔ ایک ہندو کو جس کا نام تلک تھا۔ سلطان نے لشکر کا افسر مقرر کیا تھا اور اسنے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔[۲] سلطان مسعود نے ہندوؤں کا ایک لشکر ترتیب دیا تھا اسکے افسر اور سپہ سالار بھی ہندو مقرر کئے تھے۔ افسر کا نام ناتھ اور سپہ سالار کا نام تلک تھا۔ ۴۲۶ھ میں جب احمد نیالتگین[۳] نے ہندوستان میں بغاوت کی تو اسکی سرکوبی کے لئے مسعود نے ناتھ کو روانہ کیا۔ ایک لڑائی میں جب ناتھ مارا گیا تو اسکی جگہ تلک مامور ہوا اور اسنے نہایت عمدگی سے نیالتگین کی بغاوت فرو کی ۔[۴]

اِن واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آلِ سبکتگین کے زمانہ میں ہندوؤں کے اور مسلمانوں کے گہرے تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ میل جول اور تبادلۂ خیالات کی وجہ سے ہندی زبان میں تغیر شروع ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانہ سے ایک جدید زبان کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔ اور عہد بہ عہد ترقی کرتے ہوئے ساتویں صدی تک اسنے

---

[۱] عوفی جلد ۲ صفحہ ۴۴۶ ۔ دار المصنفین اکیڈمی لاہور
[۲] طبقات اکبری صفحہ ۱۵
[۳] طبقات اکبری صفحہ ۱۲ ۔ الیٹ ہسٹری جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۲۰
[۴] الفنسٹن ہسٹری طبع ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۲۵

ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے عرصہ دراز سے یہاں کی بود و باش اختیار کر لی تھی، اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کی زبان کے اگرچہ کہ ہمارے پاس کوئی مستقل نمونے موجود نہیں ہیں لیکن صوفیائے کرام کے ملفوظات اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اُردو کے بہت سے مقولے تحریر ہیں اور اُن سے اسبات کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کی کیا حالت تھی اور اُس میں تھوڑی بہت کیسی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

(۵)

شیخ فرید الدین گنج شکر ساتویں صدی کے مشاہیر مشائخین سے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے ۶۶۴ھ میں آپ نے انتقال فرمایا ہے[1]۔ آپ کے خلیفہ خواجہ بدرالدین اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنے ایک دوست کو "بھیا" کہا کرتے تھے[2]۔ ایک مرتبہ آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کسی نے دریافت کیا کہ جسم میں عقل کا کونسا مقام ہے اسکے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا "بیچ سر کے" اور یہ آیہ کریمہ پڑھی[3] وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العاقلون۔

شیخ سراج الدین عثمان جو اخی سراج کے لقب سے مشہور ہیں سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے ۷۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا[4]۔ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد جو ۷۲۵ھ میں واقع ہوئی تھی آپ بنگالے سے دہلی میں تشریف لائے اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے بنگالہ جانے کی تجویز کی لیکن اخی سراج نے عرض کیا کہ وہاں پہلے شیخ علاء الدین الحق موجود ہیں اور خلائق کا رجحان انہی جانب ہے میرے وہاں جانے سے کیا

[1] آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۶۹۔ شہزادہ دارا شکوہ نے ۶۶۴ھ لکھا ہے (سفینۃ الاولیا صفحہ ۹۶)
[2] اسرار الاولیا صفحہ ۳۳
[3] ملفوظات صفحہ ۴۲
[4] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۵۵
[5] آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۱۸۱

نتیجہ ہے اس پر خواجہ صاحب نے ہندی زبان میں ارشاد فرمایا کہ "تم او پر وسے تلے" شیخ اخی سراج کو اس بشارت سے بے حد مسرت ہوئی اور فوراً بنگالہ کی جانب روانہ ہوئے۔[1]

حضرت خواجہ بندہ نواز کا مقولہ

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز دکن کے مشہور بزرگ ہیں ۸۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔[2] آپکے ایک مرید عبداللہ بن عبدالاجمل چشتی نے ایک کتاب عشق نامہ کے نام سے تصوف میں لکھی ہے اور اس میں اپنے مرشد کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

"جھو کوں ہو سوں خدا کچھ اپڑتا ہے۔ خدا کوں پڑنے کی استعداد ہو۔"

قطب عالم گجراتی کے اقوال

سید برہان عبداللہ بن محمود قطب الاقطاب سید جلال الدین بخاری کے پوتے تھے ۷۹۰ھ میں گجرات آکر پٹن میں سکونت پذیر ہوئے۔ سلطان احمد (۸۱۳ تا ۸۴۶ھ) نے جب احمد آباد آباد کیا تو پٹن سے احمد آباد میں تشریف لائے۔ آپ کے فرزند کا نام سراج الدین سید محمد بن عبداللہ تھا۔ اہل گجرات آپ کو قطب عالم اور فرزند کو شاہ عالم کہا کرتے تھے۔ دونوں بڑے ذی وجاہت اور بلند پایہ بزرگ تھے ۸۵۷ھ میں قطب عالم نے اور ۸۸۰ھ میں شاہ عالم نے انتقال فرمایا ہے۔[3]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قطب عالم نماز تہجد کے لئے اٹھے اور صحن میں آئے تو ایک لکڑی سے ٹھیس لگی اسوقت آپنے فرمایا۔ "کیا ہے لوہا ہے یا لکڑی ہے یا پتھر

۱؎ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹
۲؎ آئین اکبری جلد سوم ص ۴۰۵
۳؎ اخبار الاخیار ص ۱۵۶
۴؎ تحفۃ الکرام ص ۱۷

شاہ بارک اللہ چشتی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے مرید و خلیفہ تھے اور احمد آباد میں رہا کرتے تھے جناب رسالت مآب صلعم نے ایک روز خواب میں شیخ سراج الدین کو بشارت دی کہ تمہارا لقب شاہ عالم ہوگا اور تمہیں اس لقب سے شاہ بارک اللہ نامزد کریں گے۔ شیخ سراج الدین جب شاہ بارک اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دیکھتے ہی شاہ عالم کے خطاب سے مخاطب کیا اور اس روز سے شاہ عالم آپ کا خطاب مشہور ہو گیا شاہ عالم نے اس واقعہ کو جب اپنے والد قطب عالم سے بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا "چشتیوں نے پکائی اور ہم بخاریوں نے کھائی"۱؎

شیخ وجیہہ الدین علوی گجرات کے علمائے کبار اور مشائخین عظام سے ہیں ۹۱۱ھ میں چانپانیر میں پیدا ہوئے ملا عماد الدین طارمی کے شاگرد اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ تھے۔ ۱۹ صفر ۹۹۸ھ کو آپ نے انتقال فرمایا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، بیان و معانی وغیرہ میں جس قدر مشہور و متداول کتابیں ہیں ان سب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی اور بھی بہت تصنیفات ہیں۔ منجملہ انکے اکثر کتابوں کے نام مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھے ہیں۲؎ آپکے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے آپکے ہندی ملفوظات جمع کئے ہیں اور کچھ مقامات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) کسی گفت کہ میاں شیخ افضل اللہ ترک درس کردند۔

[illegible]

۱؎ تحفۃ الکرام جلد ۳ [illegible]

۲؎ منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۴۲، سبحۃ المرجان ص ـــ اخبار الاخیار ص ۱۷۱ میں آپ کا ۹۹۸ھ میں وفات لکھا

فرمودند "جب ترقی پکڑیں گے تب آپیں درس کہیں گے"

(۲) عزیزے التماس کرد کہ اگر اجازت شود اربعین نشینم۔

فرمودند "اس سیں بہتر کیا خوب ہے۔ اس وضع اچھی کہ دل خدا سوں مشغول ہووے"

(۳) شخصے عرض کرد کہ عارف کرا گویند۔

فرمودند "عارف اُسے کہویں جو خدا سوں بھرپا ہووے"

(۴) آپ کا ایک مقولہ ہے۔

اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہووے۔ جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو تنبیہ پاوے۔ دوجے بار بھی پاوے۔ تیجے بار بھی پاوے۔

آپ کو تنبیہ ۱۲ — دوسرے ۱۲ — تیسرے ۱۲

سید شاہ ہاشم علوی شیخ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے اور شیخ برہان الدین الله کے فرزند تھے۔ ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (م ۱۰۳۵ھ) کے زمانہ میں بیجاپور میں تشریف لائے اور محمد عادل شاہ (م ۱۰۶۷ھ) کے زمانہ میں ۹ رمضان ۱۰۵۱ھ کو انتقال فرمایا۔ شاہ مراد بن شاہ جلال نے جو آپ کے مرید خاص تھے آپکے اذکار و اشغال اور ہندی ابیات و اقوال جمع کئے اور اسکا نام مقصود العاشقین رکھا۔ کتاب سے شاہ صاحب کے چند اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) ہاشم جی کی سنئے بات — جنّے رکھی باسی بھات
اوسے کا جاوے ہاتے ہات

شیخ کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ آپ حرم شریف میں تشریف رکھتے اور درس کے لئے طلبہ جمع ہوتے۔ اسکے بعد عربوں کو عربی میں عجمیوں کو فارسی میں۔ ہندیوں کو اردو میں درس دیا کرتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شیخ جو مولانا علی متقی کے صحبت یافتہ اور شیخ عبدالوہاب متقی کے خلیفہ و جانشین ہیں ان دونوں بزرگوں کے حالات میں ایک کتاب مستقل لکھی ہے اور اسکا نام زاد المتقین الی طریق سلوک الیقین رکھا ہے۔ اسمیں شیخ عبدالوہاب کا طریقہ درس اسطرح مذکور ہے:

"طریقۂ ایشاں در تعلیم و تدریس علم آنست کہ اگر کسے از علوم دینیہ چیزے طلب کند اورا درس بگویند۔ ہر علمی کہ باشد۔ اما اگر از تفسیر و حدیث و تصوف بجز از نوحش حال ثمر و راضی تر باشند و بعد از مقید شدن بدرس در تحقیق و تشخص مسائل نہ کنند۔ مہما امکن از تفتیش و تنقیح معانی و تشریح کنایات و ہمت تمام مصروف باین جانب سازند و سخن را مجمل نگزارند۔ چنانکہ طالب علم را تشفی تمام حاصل آید بے آنکہ تعلق و تشدق لسانی درمیان باشد و با ہر کس بزبان او سخن کنند و با ہندیاں در تقریر فارسی تکلف نکنند و ہم بہ زبان ہندی اکتفا فرمایند۔ اگر حین درس شخصے عجمی یا عربی حاضر شود بجہت وے تقریر را تغیر نہ دہند و بقصد استماع وے سخن غریب یا از جنس حقائق و دقائق اعادہ و تکرار نکنند۔ مگر آنکہ چیزے بپرسد و در استفادہ مشارکت نماید و بہاں مقدار باندازہ سوال بزبان وے سخن کنند و جواب گویند و سالہا در حرم شریف این علوم درس گفتہ اند"

(۶)

امیر خسرو اور اردو زبان

ساتویں صدی کی اُردو کا بہترین نمونہ حضرت امیر خسرو کی نظمیات ہیں اون سے نہ صرف اُس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زبان سے زیادہ غیر مانوس نہ تھی حضرت امیر خسروؒ ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ذیقعدہ ۷۲۵ھ کو انتقال فرمایا سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ تا ۶۸۶ھ) کے عہد سے سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ان میں سے سات بادشاہوں کی ملازمت کی دہلی میں رہا کرتے تھے لیکن ملازمت کی تقریب ملتان اور بنگالہ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ میں (جو ۱۰۲۲ھ میں تمام ہوا ہے) لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؒ کا ہندی کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے لیکن اوحدی کا یہ بیان اسوقت ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ زمانہ کے ناقدر دانوں نے اس گنج گہر کو تباہ و برباد کر دیا تھوڑا سا حصہ جو زمانہ کی دستبرد سے بچ گیا ہے وہ بھی ابتک پردۂ خفا میں مستور ہے۔

شاہان اودھ کے کتب خانوں میں جو موتی محل اور توپخانہ میں تھے حضرت امیر خسروؒ کے دو سو پوتھیاں موجود تھے اور انکے علاوہ ایک مجموعہ میں انکا متفرق کلام جمع تھا جسمیں فارسی آمیز غزلیں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ تھیں ان

دونوں مجموعوں کو ڈاکٹر اسپرنگر نے دیکھا تھا اور انکے متعلق ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شایع ہوا ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام نہایت کمیاب ہے۔ اس وقت تک دو غزلیں اور دو متفرق شعر دستیاب ہوئے ہیں جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

زحال مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں

بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کے ورائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں

خوار شدم زار شدم لٹ گیا — در غم ہجر تو کمر ٹوٹ رہی
یار نہیں دیکھا ہے سوئے من — بے گنہ ہم ساتھ عجب روٹھ رہے
روئے تو رونق شکن آفتاب — سرو بہ پیش قد تو بوٹے سی
نگاہ زخشم تو نگفت کہ بیٹھ — وہ پکنے جیا گیا میرا کلیجہ پھوٹ رہی

زرگر پسرے چو ماہ پارا — کچھ گھڑیے سنوارے پکارا
نقد دلِ من گرفت و بشکست — پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

حضرت امیر خسرو کی چیستاں

حضرت امیر خسرو کی حسب ذیل چیستاں ڈاکٹر اسپرنگر کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔

حمد الٰہی

سب کوئی اس کو جانے ہے — پر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دہڑی میں لیکھا ہے — فکر کیا اُن دیکھا ہے

خربزہ

دس ناری کا ایک ہی نر — بستی باہر واکا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم — منہ میٹھا تاثیر گرم

چراغ

بالا تھا جب سب کو بھایا — بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اسکا ناؤں — بوجھو نہیں تو چھوڑو گاؤں

قینچی

اندر چلمن باہر چلمن بیچ کلیجہ دھڑکے — امیر خسرو یوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے

کاجل

جل کر بنے جل میں رہے — آنکھوں دیکھا خسرو کہے

بئے کا گھونسلا

ایک انوکھا گرہ بنایا — اوپر نیو نیچے گھر چھایا

بنیاد ۱۲ — گہر ۱۲

(۲) باپ کے آتا دیوے سو پوت — باپ نیں دیوے سو سپوت
باپ کا دیا چھینے سو کپوت

(۳) دنیا چھوڑے سیج کہائے — یہ جھاپ جھک چھوڑے نائے
دیتی تجّی سوں یک میدان — چیلے چھوٹے دوجے شیطان

شاہ نظام الدینؒ شاہ ہاشم کے ایک مرید خاص تھے صاحب مقصود الفنا نے انکا بھی ایک دوہرہ نقل کیا ہے۔

نظام بندگی کرے تو کیا ہوئے۔ اول جیکا نیں دل صفا
جامہ سونڈے میں ڈب رہا۔ اوسے خوشبو لگائے تو کیا ہوا

اوپر جو کچھ مذکور ہوئے ہیں وہ مسلمانوں کی زبان کے نمونے تھے

اب ہم ذیل میں چند نمونے ہندوؤں کی زبان کے درج کرتے ہیں

ہندوؤں کی زبان کا سب سے قدیم نمونہ راج راسا ہے جسے ایک مشہور شاعر کوی چند نے لکھا محمد سام کے (۵۶۹ھ – ۱۲۰۲ء) زمانہ میں لکھی کوی چند اجمیر کے راجہ پرتھی راج کا وزیر تھا اور اسی کے ساتھ ۵۸۸ھ میں مارا گیا۔ اس کتاب میں اسنے پرتھی راج کے واقعات بیان کئے ہیں یہ کتاب خالص برج بھاشا میں لکھی گئی ہے۔ لیکن عربی فارسی الفاظ بھی لئے گئے ہیں اور بہت سے جملے ایسے موجود ہیں جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ برج بھاشا اس زمانہ میں متغیر ہوگئی تھی اور اس سے ایک جدید زبان نکل چکی تھی اور اسے روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔

راج راسا ایک مستقل کتاب ہے اس سے صرف تین دوہے بطور نمونہ نقل کئے ہیں

نقل کرتے ہیں۔

سینک بان پرتھوی راج کی بائیس گج چار ہی
لگت چوٹ چوہان کی اور تت تیلیس من گاری

بارہ بانس بیس گج اونگل چار پر مان
آٹھ کھم بادشاہ ستی پوکی چوہان

پھر نہ جننے جینے ہیں پھیر نہ کھینچے کمان
سات بار تم چوکیو اب نہ چوک چوہان

کبیر داس بنارس کے رہنے والے اور گرو راما نند کے چیلے ہیں ہندوؤں کے ایک مشہور موحد گزرے ہیں سلطان سکندر لودھی (٨٩٤ھ تا ٩٢٣ھ) کے زمانہ میں پیدا ہوئے بابر اور ہمایوں کے معاصر تھے جلوس اکبر کے پہلے سال ٩٦٣ھ میں فوت ہوئے ذوالفقار اردستانی نے دبستان میں انکے حالات لکھے ہیں[1]۔

کبیر کے دوہے بھی بہت مشہور ہیں لیکن اس بات میں شک نہیں کہ جو کچھ وہ کہتے تھے وہ ٹکسالی زبان تھی وہ ہے جسے روزمرہ کی بول چال میں ہندو استعمال کرتے تھے۔ اسمیں اور مسلمانوں کی زبان میں صرف یہ فرق تھا کہ مسلمان عربی فارسی الفاظ ملاتے تھے اور اسکے برخلاف ہندوؤں کی زبان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہوا کرتی تھی۔

ایسا کوئی نہ ملا جاسوں رہئے لاگ   سب جگ جلتا دیکھیا اپنی اپنی آگ
[illegible] آ گیا دکھ میں کیا یاد   کبیر کہتا داس کی کوئی سنے فریاد

[1] دبستان مذاہب صفحہ ۱۵۹ — [illegible] کبیر [illegible] لال ایم اے [illegible] فارسی خط میں کبیر ساکھی کے نام سے چھپوایا ہے اس سے نقل کئے گئے ہیں ۱۲

نینوں کی کر کوٹھری پتلی پلنگ بچھا   پلکوں کی چق ڈال کے پیا کو لیا رجھا

غوطہ مارا سندھ میں موتی لائے پیٹھ   وہ کیا موتی پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

داخل ہو کر

سیج بچھاؤ سندری انتر پردا ہو   تن سونپے من دے [illegible]

کبیرا ہار ایک ہے گھڑنے کا پھیر   لوہے سے [illegible]

کبیر شریر سرائے ہے کیوں سوئے سکھ چین   کوچ نقارا سانس کا باجت ہے دن رین

کبیر سے پہلے اور ان کے بعد ہندی کے اور بھی شاعر گزرے ہیں مثلاً سورداس (سنہ ۹۹۹ھ) تلسی داس (سنہ ۱۰۳۲ھ) وغیرہ لیکن ان کی اور کبیر کی زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اسلئے ہم نے قلم انداز کر دیا ہے۔

اوپر کے اقتباسات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نویں صدی تک اردو زبان ہندوستان میں رائج ہو گئی تھی۔ اور بالخصوص دوآب، دکن اور گجرات میں جسے تاریخ کی رو سے ہندوستان اسلامی کہنا چاہیے۔ عام طور پر بولی جاتی تھی اس زبان میں نہ صرف عوام الناس ہی بات کرتے تھے بلکہ علماء اور مشائخین کے وعظ و تذکیر بھی اسی زبان میں ہوا کرتے تھے۔

آٹھویں اور نویں صدی میں ہندوستان کے بہت علمائے معظمہ

اور مدینہ منورہ میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ علاوہ انکے ہر سال سینکڑوں مسلمان ہندوستان سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے اور کئی کئی سال وہاں رہکر واپس آتے تھے۔ انکی رہائش کے لئے ان مقامات میں بڑے بڑے رباطات بنے ہوئے تھے اور انکے اخراجات کے لئے ہندوستان کی سلطنتیں لاکھوں روپیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ان رباطات کے انتظامات ہندیوں کے ہاتھ میں تھے اور انہیں ہر وقت ہندوستانیوں سے سابقہ رہتا تھا۔ اسلئے انہوں نے اردو بولنا سیکھ لیا تھا۔ ان کے علاوہ ان مقامات کے اکثر تجار بھی ہندوستانیوں کے میل جول کے باعث اردو میں گفتگو کرنے کے عادی ہو گئے [1]

شیخ عبدالوہاب متقی ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں۔ مالوہ آپ کا وطن تھا گجرات، دکن، سرندیپ کی سیاحت کرتے ہوئے ۹۶۳ھ میں مکہ معظمہ پہنچے مولانا علی متقی جو برہانپور کے باشندے اور علوم عقلیہ کے زبردست عالم اور ولی کامل تھے۔ آپ سے بہت پہلے مکہ معظمہ میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے تھے شیخ عبدالوہاب مولانا کے مریدوں میں شامل ہو گئے اور بارہ سال خدمت میں حاضر رہکر تفسیر حدیث فقہ اور دیگر علوم شرعیہ میں کمال حاصل کیا ۹۷۵ھ میں جب مولانا کا انتقال ہوا تو انتقال کے روز مولانا نے شیخ عبدالوہاب کو اپنا خلیفہ و جانشین قرار دیا۔ اسکے بعد شیخ عبدالوہاب چھتیس سال مکہ معظمہ میں زندہ رہے۔ اور مولانا کی طرح حدیث و فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کا درس جاری رکھا ۱۰۰۱ھ میں بمقام مکہ معظمہ آپ فوت ہوئے

---

[1] یہ واقعات آثار المدینہ، زاد المتقین، جذب القلوب، اور اخبار الاخیار کے مقالات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ۱۲

بانس نہ بلّی - بندھن گھنے   کہو خسرو گھر کیسے بنے

حضرت امیر خسروؒ کے زمانہ میں ایران و توران کی حالت
نہایت پر آشوب تھی اور چنگیزیوں کے جدال و قتال سے پریشان
ہوکر ہزارہا مسلمان ترک وطن کرکے ہندوستان میں آرہے تھے - یہ نو وارد
یہاں کی زبان سے ناواقف تھے اسلیئے انہیں ہر معاملے میں دشواری پیش
آتی تھی اور اہل ہند بھی اُن کا مطلب سمجھنے سے عاجز اور پریشان رہتے تھے
اس دشواری کو رفع کرنے کے لئے حضرت امیر خسروؒ نے ایک کتاب لکھی اور
اسمیں اُن تمام لغات اور الفاظ کو جمع کیا جو اہل ولایت اور اہل ہند کی
زبانوں میں روزمرہ استعمال ہوتے تھے - اور انہیں کئی ہزار اشعار میں منظوم
کیا لیکن یہ کتاب بھی دستبرد زمانہ کے نذر ہوگئی اور اسکے کم و بیش دو سو ابیات
بچ رہے ہیں جو خالق باری کے نام سے مشہور ہیں ان دو سو ابیات میں
تخمیناً تین سو الفاظ ہندی کے جمع ہیں اور انہیں سے دس بیس خارج کر دیئے جائیں
تو باقی الفاظ ایسے رہ جاتے ہیں جو اسوقت بھی زبان اردو میں استعمال
ہو رہے ہیں -

خالق باری چونکہ چھپ گئی ہے اور عام طور پر ملتی ہے اسلئے سنہ لکھنے
اس کے نمونے کو قلم انداز کر دیا ہے -

نویں اور دسویں صدی میں شمالی ہندوستان میں فارسی زبان
کی تین مشہور و مستند لغات لکھی گئی ہیں ان میں سے [illegible] قدیم
ادات الفضلا ہے - اسکو قاضی خان بدر محمد دہلوی نے [illegible]

کی یورش کے بیس سال بعد ۸۲۲ھ میں مرتب کیا ہے۔ اسکے تیس سال بعد قوام الدین ابراہیم فاروقی نے ایک ضخیم لغت مدون کیا اور اسے اپنے مرشد شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری کے نام پر اُسکا نام شرف نامہ رکھا یہ کتاب بنگالہ میں سلطان رکن الدین باربک شاہ بن ناصر الدین محمود کے زمانہ میں ختم ہوئی ہے باربک شاہ ۸۶۴ھ سے ۸۷۹ھ تک بنگالہ میں حکمران رہا ہے۔ اسکے بعد شیخ لاد دہلوی المتوفی ۹۲۵ھ نے سلطان ابراہیم لودہی کے زمانہ میں موید الفضلاء کو مرتب کیا۔ یہ آخر الذکر لغات پہلے کے دونوں لغات سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے۔

ان تینوں مصنفین نے اکثر مقامات پر فارسی عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے انکے ہندی مترادفات بھی بیان کئے ہیں اور موید الفضلاء نے اسکا التزام خصوصیت کیساتھ کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسے فارسی الفاظ کم و بیش (۷۱۰) ہیں جنکے معنی اُردو الفاظ میں بیان کئے ہیں اور اس تقریب میں اس کتاب میں جو اُردو الفاظ آگئے ہیں انکی تعداد کم و بیش (۸۰۰) ہے یہ تمام الفاظ قریب قریب ایسے ہیں جو اسوقت بھی ہماری زبان میں موجود اور عام طور پر بولے جاتے ہیں۔

ـلہ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۲۹

سلاطین بہمنیہ

۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ

۱ - علاء الدین بہمن شاہ	۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ
۲ - محمد شاہ بن بہمن شاہ	۷۵۹ھ تا ۷۷۶ھ
۳ - علاء الدین مجاہد شاہ	۷۷۶ھ تا ۷۸۰ھ
۴ - داؤد شاہ	۷۸۰ھ
۵ - محمد شاہ ثانی ۱؎	۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ
۶ غیاث الدین	۷۹۹ھ
۷ - شمس الدین داؤد شاہ ثانی ۲؎	۷۹۹ھ تا ۸۰۰ھ
۸ - تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ
۹ - شہاب الدین احمد شاہ اول	۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ
۱۰ - علاء الدین احمد شاہ ثانی	۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ

۱؎ فرشتہ نے اس کا نام محمود شاہ لکھا ہے لیکن سکہ جات میں محمد شاہ مسکوک ہے تہامس کرانیکل ص ۳۴۳

۲؎ سکوں پر اس کا لقب داؤد شاہ تحریر ہے۔ نیومسماٹک سپلیمنٹ نمبر (۱۱) آرٹیکل ۶۲ ضمیمہ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۲

۱۱- علاء الدین ہمایوں شاہ	سنہ ۸۶۲ھ تا سنہ ۸۶۵ھ
۱۲- احمد شاہ ثالث[۱] (نظام شاہ)	سنہ ۸۶۵ھ تا سنہ ۸۶۷ھ
۱۳- شمس الدین محمد شاہ ثالث	سنہ ۸۶۷ھ تا سنہ ۸۸۷ھ
۱۴- محمود شاہ	سنہ ۸۸۷ھ تا سنہ ۹۲۴ھ
۱۵- احمد شاہ رابع	سنہ ۹۲۴ھ تا سنہ ۹۲۷ھ
۱۶- علاء الدین	سنہ ۹۲۷ھ تا سنہ ۹۲۹ھ
۱۷- ولی اللہ	سنہ ۹۲۹ھ تا سنہ ۹۳۲ھ
۱۸- کلیم اللہ	سنہ ۹۳۲ھ

[illegible]

ملک ہژبر الدین ظفر خاں۔ سلطان علاء الدین خلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا۔ سنہ ۶۹۹ھ میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اُن کی مدافعت کرتا ہوا معرکہ میں شہید ہوا[۲]۔ اس کے دو بھانجے تھے علی شاہ اور حسن بہمنی[۳] یہ دونوں سلطان محمد بن تغلق کے امرائے صدہ میں شامل تھے۔ اور انہیں سلطان نے اپنے اُستاد قتلغ خاں کے ہمراہ دکن میں روانہ کیا تھا۔ سنہ ۷۴۴ھ میں علی شاہ محصول سلطانی وصول کرنے کے لئے گلبرگہ میں آیا

[۱] بعض مورخین نے اس کا نام نظام شاہ اور اس کا زمانہ حکومت سنہ ۸۶۵ھ تا سنہ ۸۶۷ھ بتایا ہے۔ لیکن جو سکے سنہ ۸۶۶ھ [illegible] کے مسکوکہ ہیں۔ ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ مسکوک ہے۔ (نیومسماٹک کرانیکل ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۶۹)

[۲] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۵۹ ۔ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۰۴

[۳] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۳۸

اور جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار شروع کر دی
قتلغ خاں نے اس پر چڑھائی کی۔ بیدر میں لڑائی ہوئی۔ قتلغ خاں نے
اسے قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ بادشاہ نے اسکا قصور معاف کر کے غزنین
کی طرف جلاوطن کر دیا۔[1]

علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد امرائے دکن نے باہم اتفاق
کر کے سلطان کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ گروہ کثیر نے اسمٰعیل مغ
کو جو دو ہزاری امیر تھا سلطان ناصر الدین کا خطاب دیکر بادشاہ
بنالیا۔ دوسرے امرا بھی ملک کے مختلف حصوں میں خود سر ہو گئے حسن بہمنی
نے ظفر خاں کا خطاب اختیار کر کے سکری۔ رائے باغ۔ مرج۔ گلہر۔
گلبرگہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد عمالان سلطانی سے لڑائیاں
شروع ہوئیں۔ دو سال تک بازار کارزار گرم رہا ۷۴۸ھ میں باغیوں کو غلبہ
حاصل ہوا۔ لشکر سلطانی ہزیمت اٹھا کر فرار ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں باغیوں کے
تمام سردار دولت آباد کے پاس جمع ہوئے اور پندرہ روز تک عیش و عشرت کے
جشن مناتے رہے۔ اسی اثناء میں امیر ناصر الدین اسمٰعیل نے بادشاہت
کے لئے حسن بہمنی کو پیش کیا اور تمام امرا نے اتفاق کر کے ۲۴ ربیع الثانی
۷۴۸ھ کو حسن کے سر پر تاج شاہی رکھا اور دولت آباد کی جامع مسجد میں
جس کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کرایا تھا اسکے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔[2]

حسن بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد سلطان علاء الدین بہمن شاہ اپنا لقب

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۴۸۲ ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۱۸۵ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۴۱
[2] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۷۷

اختیار کیا۔ اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کرکے اُسے اپنا دار الحکومت بنایا اسکی حکومت برار سے تلنگانہ اور کرشنا سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ زمانہ مابعد میں اسکے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی علاء الدین احمد شاہ نے کوکن کو فتح کیا۔ شاہان گجرات و خاندیس کو شکست دی محمد شاہ کے زمانہ میں اوریسہ اور کانجی ورم مسخر ہوئے۔ بلگاؤں کے راجہ نے ہزیمت پائی ان فتوحات سے بہمنیوں کی سلطنت ایک سمندر سے شروع ہوکر دوسرے سمندر تک وسیع ہوگئی۔ بیجانگر کے راجہ بہمنیوں کے مدمقابل تھے۔ دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی۔ ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے۔ اور بہمنیوں کے لشکر جب بیجانگر چلے جاتے تو یہاں کے راجہ باج و خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے

سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدر دان تھے محمد شاہ ثانی (۷۸۰ھ – ۷۹۹ھ) شاعر تھا اور عربی فارسی خوب بولتا تھا میر فضل اللہ انجو جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے اسکے دربار میں عہدۂ صدارت پر مامور تھے اسی بادشاہ نے خواجہ حافظؔ کو شیراز سے دکن میں بلوایا تھا لیکن خواجہ صاحب بحری سفر سے خائف ہوکر آنے سے انکار کر دیا تو بادشاہ نے ازراہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی انکے یہاں روانہ کیے۔

فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ – ۸۲۵ھ) بھی زبردست عالم تھا تفسیر اصول اور حکمت طبعی و نظری میں ید طولیٰ رکھتا تھا عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا علم ہیئت سے اسے بڑی دلچسپی تھی ۸۱۰ھ میں بمقام دولت آباد ایک رصدگاہ تعمیر کرائی تھی اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گازرونی اور حسن گیلانی جیسے نامور علما مامور کیے تھے

خواجہ بندہ نواز سید محمدؒ گیسو دراز اسکے زمانے میں گلبرگہ تشریف لائے تھے۔

احمد شاہ بہمنی ۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ کے دربار میں بڑے بڑے علماء جمع تھے۔ مثلاً ملا عبد الغنی مفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ آذری مرزا شاہ رخ کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ حج بیت اللہ کے بعد دکن میں آیا اور ایک مدت تک احمد شاہ کے دربار میں رہا۔ بادشاہ کی فرمائش سے سلاطین بہمنیہ کے حالات منظوم کئے اور بہمن نامہ اسکا نام رکھا احمد شاہ کے زمانے تک حالات منضبط ہو گئے تو آذری نے وطن جانے کی اجازت حاصل کی اور بادشاہ نے ساٹھ ہزار تنکہ طلائی زاد راہ کے لئے عطا کئے۔ بہمن نامہ ادھورا رہ گیا تھا ملا نظیری سامعی وغیرہ نے اُسے بعد میں پورا کیا اور انقراض دولت بہمنیہ تک حالات بڑھا کر کتاب کو ختم کر دیا۔

محمود گاواں محمد شاہ ثالث ۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ کا وزیر تھا ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا۔ علوم معقول و منقول میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ سید العلماء سلامت اللہ اوحدی۔ شمس الدین سامی عبد الکریم ہمدانی ملا نظیری اسکے ندیمان دربار سے تھے۔ مشہور شاعر ملا عبد الرحمن جامی کو اسنے بیدر میں بلوایا تھا۔ لیکن انہوں نے آنے سے معذرت کی اور ایک طویل قصیدہ اسکی مدح میں لکھکر بھیجدیا۔ جسکا ایک شعر یہ ہے

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا الصلا کز جان و دل نزل تو کردم الصلا

سلاطین بہمنیہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال نہایت کامیابی کے ساتھ برسر حکومت رہے۔ اسکے ساتھ انحطاط شروع ہوا۔ محمود شاہ کے زمانے

صوبہ داروں نے خود سری شروع کر دی ۹۳۲ھ میں بہمنیوں کے نام کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس ایک سلطنت کے بجائے ملک میں پانچ سلطنتیں قایم ہو گئیں برار میں عماد شاہی احمد نگر میں نظام شاہی بیدر میں برید شاہی بیجاپور میں عادل شاہی گولکنڈہ میں قطب شاہی۔

سلطنت بہمنیہ کے مختلف طبقے اور ان کی زبانیں

سلطنت بہمنیہ میں جو مسلمان آباد تھے مورخ فرشتہ نے انکے تین گروہ بیان کئے ہیں۔

(۱) دکنی۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں یا اسکے بعد عساکر اسلامی کیساتھ ہندوستان سے دکن میں آباد ہوئے اور یہاں انکی دو تین پشتیں گذر گئیں۔ یہ لوگ دکنی اردو بولتے تھے۔

(۲) غریب (پردیسی) یعنے وہ لوگ جو ترکستان و ایران سے وقتاً فوقتاً آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے یہ لوگ زیادہ تر ترک افغان اور ایرانی تھے انکی زبان بالعموم فارسی تھی۔

(۳) حبشی یہ لوگ حبش یعنے ابی سینیا کے باشندے تھے اور یمن کے راستے دکن میں آئے تھے اور انکی بہت بڑی جماعت یہاں آباد ہو گئی تھی۔ یہ لوگ عربی اور حبشی دونوں زبانیں بولتے تھے۔

ملک کے اصلی باشندے انکے علاوہ تھے سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں مرہٹے آباد تھے جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی بولنے والوں کی بستیاں تھیں دولت آباد گلبرگہ اور بیدر جو سلطنت بہمنیہ کے مرکز حکومت تھے ملک مرہٹہ میں واقع تھے اور یہاں کے باشندوں کی زبان مرہٹی تھی۔ یہ زبان

جیسا کہ ہم نے ابتدا میں بیان کیا ہے خالص آرین زبان نہ تھی بلکہ آرین اور بارہ چھپن زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

شہریوں کے مقابلے دکنیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسی اعتبار سے عربی اور فارسی کے مقابلہ میں انکی زبان کو بھی ملک میں بہت زیادہ رواج حاصل تھا۔ دکنیوں کی زبان اُردو سے کوئی جداگانہ زبان نہ تھی۔ بلکہ یہ وہی زبان تھی جسے سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں اور اس کے بعد ہندوستان سے آتے ہوئے اپنے ساتھ لائے تھے لیکن امتداد زمانہ کے باعث آب و ہوا کے اثرات اور دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط و ضبط نے اس میں بتدریج فرق پیدا کر دیا اور یہ فرق سو سال کے اندر اندر اس قدر نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے باسانی ممیز کی جانے لگیں اس زمانے سے یہ دونوں زبانیں دو علحدہ علحدہ ناموں سے نامزد ہو گئیں۔ ہندوستان کی زبان اُردو اور دکن کی زبان دکھنی کہلانے لگی۔

عہد بہمنیہ کے دکھنی مصنف

اُردو زبان ہندوستان میں صدیوں تک محض بات چیت اور لین دین تک محدود رہی برخلاف اسکے دکھنی زبان نے دکن میں بہت جلد ادبی صورت حاصل کر لی اور آٹھویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا۔ اس وقت تک دکنی زبان کی جس قدر تصنیفات معرض تحقیق میں آئی ہیں ان میں شیخ عین الدین گنج العلم کے رسالے سب سے قدیم ثابت ہوئے ہیں۔

شیخ عین الدین گنج العلم ۔ شیخ عین الدین گنج العلم دکن میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں آپ
۷۰۶ھ میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے ۔ وطن سے نکل کر گجرات
وغیرہ میں تحصیل علم کرتے ہوئے دولت آباد میں آئے ۔ اس وقت
یہ شہر سلطان محمد بن تغلق ۷۲۵ھ ۷۵۲ھ کا دارالسلطنت تھا اور یہاں بڑے
بڑے اکابر و مشائخ جمع ہو گئے تھے ۔ مثلاً سید خوند میر علاء الدین حسینی جو کہ
جو دہلی کے اکابر اولیا سے تھے ۔ شیخ شمس الدین لامغانی جنہوں نے شیخ بہاء الدین
زکریا سے فیض حاصل کیا تھا ۔ شیخ منہاج الدین تمیمی الانصاری وغیرہ شیخ
عین الدین سید خوند میر کے مرید ہوئے ۔ شیخ شمس الدین سے علوم دینیہ
کی تکمیل کی ۔ شیخ منہاج الدین سے فیض روحانی حاصل کیا ۔ اسکے بعد ۷۴۲ھ میں
عین آباد ساگر میں تشریف لائے اور یہاں ایک مدت دراز مقیم رہنے کے بعد
۷۴۸ھ میں بیجاپور میں آئے دکن میں سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ
(۷۴۸ھ ۷۵۹ھ) اور اس کے چار جانشینوں کا زمانہ دیکھا اور نواسی سال کی
عمر میں سلطان محمد شاہ ثانی ۷۸۰ھ ۷۹۹ھ کے عہد میں ۲۷ جمادی الاول ۷۹۵ھ
کو انتقال فرمایا ۔ آپ نے علوم متداولہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تذکروں
میں انکی تعداد (۱۳۲) ایک سو بتیس تحریر ہے [۱]

قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری فارسی میں ایک
مشہور تاریخ ہے ۔ اسمیں سلطان ناصر الدین محمود ۶۴۴ھ ۶۶۴ھ تک سلاطین
ہندوستان کے حالات تحریر ہیں ۔

---

[۱] روضۃ الاولیائے بیجاپور صفحہ ۲ ۔ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم صفحہ ۵۶۸

شیخ عین الدین نے اسکا تکملہ لکھا ہے اور اسمیں اپنے زمانہ تک حالات قلمبند کئے ہیں۔ مورخ فرشتہ نے اسے دیکھا تھا۔ اپنی تاریخ میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور اسکا نام ملحقات طبقات ناصری لکھا ہے ۱؎

اطوار الابرار کے نام سے آپ کی ایک اور تصنیف مشہور ہے۔ اسمیں آپ نے اکابر اولیا کے حالات و مقالات تحریر کئے ہیں۔

آپ نے چھوٹے چھوٹے کئی رسالے دکھنی زبان میں تصنیف کئے تھے۔ منجملہ ان کے تین رسالے ایک مجموعہ میں کالج قلعہ سینٹ جارج کے کتب خانہ میں موجود تھے انکے اوراق کی مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض و سنن کے متعلق مختلف احکام و مسائل تحریر تھے۔ ۲؎

خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے اعاظم خلفا سے تھے۔ آپ ۸۱۵ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی سے گلبرگہ میں تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد ۱۶ ذی القعدہ کو انتقال فرمایا۔ علم تصوف میں آپ کی ۳۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں آپ نے ملتقط کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سلوک کے مسائل اسمیں بیان کئے ہیں علامہ زمخشری کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ شیخ محمد بن اسحاق الکلاباذی المتوفی سنہ ۳۸۰ھ کی کتاب التعرف شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی سنہ ۶۳۲ھ کی کتاب العوارف۔ شیخ

۱؎ تاریخ فرشتہ جلد اول ص۶۹
۲؎

عبدالکریم القشیری المتوفی سنہ ۴۶۵ھ کا رسالہ شیخ محی الدین ابن العربی المتوفی سنہ ۶۳۸ھ کی کتاب الفصوص تصوف کی اعلیٰ ترین تصنیفات ہیں۔ خواجہ صاحب نے انپر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں۔ انکے علاوہ آپ کی تصنیفات سے کتاب الاسرار ایک نہایت مشہور کتاب ہے اس میں تصوف کے اسرار و حقائق تحریر ہیں۔

خواجہ صاحب نماز ظہر کے بعد طلبا اور مریدوں کو علم تصوف و حدیث اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے گاہے گاہے درس کلام اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں[1]۔ جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے انکے سمجھانے کے لئے آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے اور ایسے مریدوں کی فرمایش پر آپنے چھوٹے چھوٹے رسالے دکنی میں تصنیف فرمائے تھے ان میں معراج العاشقین اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں۔ اور عشق نامہ میں ان کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے۔

دکنی تصنیفات معراج العاشقین

خواجہ صاحب نے دکنی زبان میں سات مقولے ارشاد فرمائے تھے آپ کے ایک مرید نے ان کی ایک مبسوط شرح لکھی اور اس کا نام ہفت اسرار رکھا۔

رسالہ ہفت اسرار

سید محمد عبداللہ حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز کے نبیرہ تھے اور سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانہ میں گذرے ہیں۔ آپ نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے رسالہ نشاط العشق کا دکنی میں ترجمہ کیا تھا اور اسکی شرح لکھی تھی اس کا ایک نسخہ ٹیپو سلطان کے کتبخانہ میں موجود تھا[2]۔

سید محمد عبداللہ حسینی

[1] روضۃ الاولیا صفحہ [illegible]

[2] فہرست کتبخانہ ٹیپو سلطان صفحہ ۱۹۲

سلطنت قطب شاہیہ

۹۱۶ھ تا ۱۰۹۸ھ

(۱) سلطان قلی قطب شاہ	۹۱۶ھ	۹۵۰ھ
(۲) جمشید قلی قطب شاہ	۹۵۰ھ	۹۵۷ھ
(۳) سبحان قلی قطب شاہ	۹۵۷ھ	
(۴) ابراہیم قلی قطب شاہ	۹۵۷ھ	۹۸۸ھ
(۵) محمد قلی قطب شاہ	۹۸۸ھ	۱۰۲۰ھ
(۶) محمد قطب شاہ	۱۰۲۰ھ	۱۰۳۵ھ
(۷) عبداللہ قطب شاہ	۱۰۳۵ھ	۱۰۸۳ھ
(۸) ابوالحسن تانا شاہ	۱۰۸۳ھ	۱۰۹۸ھ

آل چنگیز نے ایران میں جو عظیم الشان سلطنت قایم کی تھی اسے سلطان ابو سعید ۷۱۶ھ تا ۷۳۶ھ کے زمانے سے اختلال شروع ہوا اور سلطنت کے بڑے بڑے امرا اور صوبہ داروں نے خود سر ہو کر بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قایم کر لیں فارس و کرمان پر آل مظفر ۷۱۳ھ تا ۷۹۵ھ نے قبضہ کر لیا عراق میں حسین جلائر نے خاندان ایلکا [illegible]

(سنہ ۷۳۶ھ ۱۳۳۶ء) کا سنگ بنیاد رکھا اور بغداد کو اپنا دار الحکومت قرار دیا خراسان کے باغی جنہوں نے اپنا لقب برسرِ حکومت ہوکر سربدار رکھا تھا سبزوار بعض وقت ہوکر ایک خود مختار سلطنت کے بانی ہوئے یہ سب سلطنتیں امیر تیمور سنہ ۸۰۷ھ کے زمانہ تک قائم رہیں۔

دریائے وان کے نیچے آرمینیہ میں ترکمانوں کی ایک صحرا نشین قوم آباد تھی اسکے دو طائفے تھے اور انکے پرچموں پر سیاہ و سپید بھیڑیوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں اسلئے انکا نام قرا قویون لی اور آق قویونلی مشہور ہوگیا تھا۔ پہلا طائفہ قرا قویونلی زیادہ طاقتور اور با اثر تھا اس کے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائر سے ایک اتحاد قائم کرکے آرمینیہ اور آذربائیجان میں ایک حکومت قائم کرلی جس پر اسکی اولاد سنہ ۷۸۲ھ تک حکمران رہی امیر تیمور نے یورش کرکے قرا یوسف ۷۹۰ھ سنہ ۱۳۹۲ء کے زمانے میں تمام ملک فتح کرلیا اور قرا یوسف فرار ہوکر مصر میں پناہ گیر ہوا اور سنہ ۸۰۸ھ میں جب امیر تیمور کا انتقال ہوگیا تو قرا یوسف نے مصر سے واپس آکر اپنی سابقہ حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد قزوین ہمدان اور اصفہان فتح کئے سنہ ۸۱۳ھ میں سلطان احمد جلائر کو مار کر بغداد پر قابض ہوگیا۔

قرا یوسف نے سنہ ۸۲۳ھ میں انتقال کیا اور اسکے بعد اسکا لڑکا مرزا اسکندر برسرِ حکومت ہوا اسنے کم و بیش اٹھارہ سال حکومت کی سنہ ۸۴۱ھ میں اسکے بیٹے مرزا قباد نے اُسے مار ڈالا مرزا اسکندر کے پانچ لڑکے تھے مرزا الوند یار علی قاسم بیگ حسن بیگ مرزا قباد۔ باپ کی حکومت کسی بیٹے کو نہیں ملی

بلکہ ان کا چچا جہاں شاہ اپنے بھائی کی جگہ برسر حکومت ہوا۔ جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا۔ شاہ رخ جب تک زندہ رہا جہاں شاہ اسکا مطیع و فرمانبردار رہا ۸۵۰ھ میں جب اسکا انتقال ہوگیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کرلی اور شاہ رخ کی اولاد سے ملک کے لئے لڑائیاں شروع کیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مرزا الوند نے سیستان اور کرمان پر قبضہ کرلیا ۸۶۱ھ میں جب مرزا بابر نے انتقال کیا تو جہاں شاہ نے ہرات پر قبضہ کرلیا اور اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر خدیجہ بیگم کو مرزا الوند کے بیٹے پیر قلی کے عقد میں دیا اور کرمان و سیستان کے عوض ہمدان کا علاقہ مرزا الوند کو دیکر اسے اپنا مطیع بنا لیا۔

نویں صدی کے شروع سے آق قویونلی نے عروج حاصل کرنا شروع کیا اور دیار بکر میں اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی اس قوم کے ایک سردار حسن بیگ نے ۸۶۱ھ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اسکی حکومت کو روز افزوں وسعت ہونے لگی جہاں شاہ نے اسکے استیصال کا ارادہ کیا لیکن حسن بیگ نے ۸۷۲ھ میں جہاں شاہ کو مار ڈالا اور قراقویونلیوں کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔

ہمدان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بعد اسکا لڑکا اویس قلی برسرحکومت ہوا حسن بیگ نے اگرچہ قراقویونلی شہزادوں کا استیصال کیا

لیکن پیر قلی اور اسکی اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا۔ یہ لوگ بلا خرخشہ ہمدان میں حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد ۸۸۲ھ میں سلطان یعقوب بیگ برسر حکومت ہوا تو قراقویونلی شہزادوں کی تفتیش شروع کی اور انہیں چن چن کر قتل کرنا شروع کیا اویس قلی نے جب یہ حال دیکھا تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیدیا۔ اللہ قلی اپنے بھتیجے سلطان قلی کو لیکر بحر فارس سے ہوتا ہوا دابل کے راستے دکن میں آیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر پہنچا محمود شاہ بہمنی اللہ قلی کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا اور وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے بعد ایران کو واپس چلا گیا لیکن محمود شاہ بہمنی نے سلطان قلی کو واپس جانے نہ دیا۔ اور اُسے شاہی غلاموں میں شامل کرکے اپنے یہاں رکھ لیا۔ سلطان قلی لکھا پڑھا اور نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ بادشاہ کو جب اسکی لیاقت کا حال معلوم ہوا تو قطب الملک کا خطاب دیکر تلنگانہ کا صوبہ دار بنا دیا۔ سلطان قلی سولہ سال تک صوبہ دار کی حیثیت سے تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا ۹۱۶ھ میں جب محمود شاہ کا انتقال ہو گیا اور سلطنت بہمنیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دوسرے صوبہ داروں نے خودسری اختیار کرلی تو سلطان قلی نے بھی اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا اور قطب شاہ کا لقب اختیار کرکے گولکنڈہ کو اپنا مستقر حکومت بنایا۔ سلطان قلی کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوے اور اس خاندان میں کم و بیش دو سو سال حکومت قایم رہی ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب عالمگیر

سلطان قلی بانی سلطنت قطب شاہیہ کا ہمدان سے دکن میں آنا

[illegible]

نے گولکنڈہ کو فتح کر لیا تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان قلی قطب شاہ کے لڑکے جمشید قلی قطب شاہ (۹۵۰ھ - ۹۵۷ھ) کو شعر و سخن سے غایت دلچسپی تھی ملا محمد شریف وقوعی اسکے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ جمشید کا جانشین ابراہیم قطب شاہ نہایت زبردست عالم تھا۔ اسکے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے خور شاہ بن قباد الحسینی جو عراق کا باشندہ تھا اسکے ندیمان خاص سے تھا۔ اسنے اپنے آقا کی فرمائش سے دنیا کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جسمیں ابتدائے تخلیق عالم و آدم سے ۹۷۱ھ تک حالات تحریر ہیں۔ یہ تاریخ آٹھ مقالات پر منقسم ہے۔ پہلے مقالے میں قدیم سلاطین ایران و روم و یمن کے حالات ہیں۔ دوسرے مقالے میں جناب رسالتمآب اور آپکے خلفاء اور خلفاء بنو امیہ و بنو عباس کا تذکرہ ہے۔ تیسرے مقالے میں ان سلاطین ایران کے حالات ہیں جو خلفاء عباسیہ کے معاصر تھے۔ چوتھے مقالے میں مغولان ایران کی تاریخ ہے۔ پانچویں مقالے میں امیر تیمور اور اسکی اولاد کا تذکرہ ہے۔ چھٹے مقالے میں طوائف قرا قویونلو و آق قویونلو اور شاہان صفویہ اور سلاطین روم کے حالات ہیں۔ ساتواں مقالہ سلاطین ہندوستان کے متعلق ہے۔ آٹھویں مقالے میں قطب شاہیوں کا تذکرہ ہے۔ مورخ فرشتہ نے اس تاریخ کا تذکرہ کیا ہے۔[1] برٹش میوزیم میں اسکا بہترین نسخہ موجود ہے۔[2] موسیو شیفر نے اپنی کتاب منتخبات فارسی میں اسکا انتخاب شامل کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ مصنف کے حالات اور کتاب کی فہرست ابواب بھی لکھی ہے۔[3]

۱ تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۶۸ ۲ ریو جلد اول صفحہ ۱۰۸ ۳ کرسٹامتی پرسان جلد دوم

محمد قلی قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا قدردان تھا اسکے زمانے میں گولکنڈہ اہل علم کا مرجع ہوگیا تھا میر محمد مومن استرآبادی جو ایران کے ایک زبردست عالم اور علامہ فخر الدین سماکی کے بھتیجے اور شاہ طہماسپ صفوی کے اہل دربار سے تھے اسی کے زمانے میں دکن میں آکر گولکنڈہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور سلطان محمد قلی نے انہیں وکیل السلطنت مقرر کردیا تھا کتاب الرجعت اور کتاب المقادیر ان کی مشہور تصنیفات ہیں شاعر بھی تھے انکا دیوان انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[1]

مرزا محمد امین شہرستان کے سادات سے تھا اسکے دربار میں میر جملہ کی خدمت پر مامور تھا۔ یہ بھی ایک ذی علم آدمی اور فارسی کا زبردست شاعر تھا اور روح الامین تخلص کرتا تھا۔ بادشاہ کی فرمائش سے اسنے خمسہ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں لکھی ہیں شیرین خسرو، لیلیٰ مجنوں، فلک البروج، مطمح الانظار۔ یہ مثنویاں انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہیں[2] علاوہ اسکے اپنی غزلیات اور قصائد کا دیوان بھی ترتیب دیا ہے اور گلستان ناز اسکا نام رکھا ہے۔ یہ دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے[3]

محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گزرا ہے اسکو سیر اور تواریخ کی کتابوں کا بیحد شوق تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتا اس کے مصنف اور کتاب کے مضامین کا انتخاب اخیر میں لکھدیا کرتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ غزل کے سوا قصائد اور

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۷۳ حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۵۸
[2] ایتھے نمبر (۲۸۹۲)
[3] ریو صفحہ (۶۷۶) ایتھے نمبر (۲۸۹۷)

مشاق خوب لکھا کرتا تھا۔ اسنے سلطنت قطب شاہیہ کی ایک ضخیم تاریخ عالم آرائے عباسی کی طرز پر لکھوائی ہے۔ یہ کتاب نہایت فصیح و بلیغ اور مرصع و مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے اسکے مضامین ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمے پر منقسم ہیں مقدمے میں سلاطین قطب شاہیہ کے آبا و اجداد کا تذکرہ ہے۔ چار باب میں چار بادشاہ سلطان قلی جمشید قلی ابراہیم قلی اور محمد قلی کے حالات ہیں خاتمہ میں سلطان محمد کا تذکرہ ہے[1]

عبداللہ قطب شاہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح نہایت علم دوست اور ارباب کمال کا قدردان بادشاہ ہوا ہے شمس الدین محمد جو علامہ ابن خاتون کے نام سے مشہور ہیں اسکے دربار میں سفارت و پیشوائی کی خدمت پر مامور تھے یہ بزرگ شیخ بہاء الدین آملی کے شاگرد اور اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم تھے انہوں نے کتاب الارشاد اور جامع عباسی پر عالمانہ حواشی لکھے ہیں انکے علاوہ اربعین کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ سب کتابیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد ہیں[2]۔ اس بادشاہ کی فرمائش سے ملا جمال الدین نے کفعمی کی کتاب المصباح کا اور ملا علی بن طیفور نے علامہ ابن بابویہ القمی کی کتاب عیون اخبار رضا کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور مولانا محمد حسین آملی نے جو شیخ بہائی کے شاگرد تھے تشریح الافلاک کی شرح لکھی ہے[3] فارسی کا مشہور لغت برہان قاطع بھی اسی بادشاہ کے نام پر لکھا گیا ہے[4] اسی بادشاہ

[1] ریو جلد اول صفحہ ...
[2] نجوم السماء صفحہ ۲۸
[3] محبوب الالباب صفحہ ۱۱۲
[4] ریو صفحہ ... جلد اول

کے عہد میں گولکنڈہ میں ملا فتح اللہ سمنانی نے امام یافعی کی کتاب روض الریاحین کا ترجمہ کیا ہے [1] ملا نظام الدین احمد بن عبداللہ الساعد الشیرازی نے اسی بادشاہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی ہے جسکا نام حدیقۃ السلاطین ہے [2]۔

بادشاہ کا داماد سید نظام الدین احمد سید معصوم کا فرزند تھا سید معصوم اسقدر جلیل القدر عالم تھا کہ اُسے اہل ایران استاد البشر کہا کرتے تھے سید نظام الدین احمد کو علوم حکمت و فلسفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی علاوہ اسکے ریاضیات کا بھی جید عالم تھا۔ اسنے مختلف علوم و فنون میں ایکسو آٹھ رسالے لکھے ہیں۔ جو مجموعۂ دانش کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ایک مجموعہ سنہ ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

شعرائے گولکنڈہ

سلاطین قطب شاہیہ اردو شعراء

سلطنت قطب شاہی کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی (۹۸۸ھ تا سنہ ۱۰۲۰ھ) اور اسکے دو جانشین سلطان محمد (۱۰۲۰ھ تا سنہ ۱۰۳۵ھ) اور سلطان عبداللہ (۱۰۳۵ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ) زبان اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے سلطان محمد قلی کا دیوان ٹیپو سلطان کے کتبخانہ میں موجود تھا۔ اسمیں آدھے سے زیادہ اردو کلام [illegible]

[1] ایشیاٹک نمبر ۴۲۔
[2] اردو صفحہ ۳۲۳

تھا۔ بقیہ حصہ میں فارسی کی غزلیات و قصائد تھے۔ اسے سلطان کے بھتیجے
اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا تھا[1]۔ اسی دیوان کا ایک بہترین نسخہ
قطب شاہی کتب خانہ کا حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اسکے متعلق
مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے[2]۔ یہ نسخہ
بڑی تقطیع کے کشمیری کاغذ پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ اسکے کم و بیش اٹھارہ سو
صفحات ہیں ۱۰۲۵ھ میں اسکی کتابت ہوئی ہے۔ یہ نسخہ ہی سلطان محمد کا مرتب
کیا ہوا ہے اور اسکے سرورق پر سلطان محمد نے اپنے دست خاص سے حسب ذیل
عبارت لکھی ہے۔

کلیات اشعار فصاحت آثار جنت مکانی فردوس آشیانی مغفرت پناہی عالیحضرت
محمد قلی قطب شاہ نور اللہ مرقدہ تمام شد در کتاب خانہ مبارکہ بخط محی الدین کاتب بتاریخ
اوائل شہر رجب المرجب سنہ خمس و عشرین الف بعد الف من الہجرۃ فی دار السلطنت حیدرآباد
حرسہا اللہ عن الآفات کتبہ العبد المخلص الاولاد سلطان محمد قطب شاہ بلغ اللہ تعالیٰ فیما تمنا

دیوان کی ابتداء میں سلطان محمد نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے اس دیباچہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے دکھنی اور فارسی میں پچاس ہزار
شعر کہے ہیں علاوہ اس کے تلنگی میں بھی اس کا کلام ہے۔ اس دیوان میں
پہلے مثنویاں ہیں انکے بعد قصیدے پھر ترجیع بند اور مرثیے۔ مرثیوں کے
بعد غزلیں اور رباعیاں ہیں اور ان میں بالالتزام پہلے فارسی پھر دکنی کلام ہے
مولوی عبدالحق صاحب نے کلیات کو مطالعہ کرنے کے بعد سلطان محمد قلی کی شاعری
اور اسکے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی اسکا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

---

[1] فہرست کتب خانہ … لسان العصر ۱۹۱۰ء جلد اول نمبر (۳) صفحہ ۱۱۸
[2] یہ مضامین رسالہ اردو جلد دوم حصہ ہفتم بابت جنوری ۱۹۲۲ء (صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۳۴) میں شائع ہوا ہے۔ سلطان محمد قلی کے کلیات کی تمام کیفیت اسی مضمون سے ماخوذ ہے۔

(سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اور اس کا کلام)

"سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے تھا کیونکہ شعر و شاعری کے چرچے ایران سے لیکر ہندوستان تک یکساں تھے بلکہ ہندوستان کا قدم کچھ آگے ہی تھا۔ شعر و سخن ہماری معاشرت و اخلاق اور ہمارے علم و فضل کا بہت بڑا جز تھے۔ اور ہر شخص جو شرافت کا دعوےٰ رکھتا تھا شعر و سخن کا بھی مدعی تھا۔ ہندوستان کے بادشاہ شعر و سخن کے قدردان ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ یہ ہی حال دکن میں قطب شاہی اور عادلشاہی بادشاہوں کا تھا۔ تاریخوں میں ان بادشاہوں کے نام سے بھی اشعار درج ہیں لیکن ان میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا نمبر سب سے اول ہے۔ اس کے کلام کا مجموعہ اس قدر ضخیم ہے کہ بادشاہ شاعر تو کیا پیشہ ور شاعر بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتے"

"اگر دکن کے شاعروں کو مستثنےٰ کر دیا جائے جنکا درجہ بلحاظ حقیقت نہایت بلند ہے تو ہم کو اُن کی عشقیہ شاعری میں کوئی بات نئی نہیں نظر آتی ہے۔ چار سو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے شعرا کے عشقیہ کلام کے سامنے رکھ دیا جائے تو سوائے زبان کے تغیر اور کہنگی کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا۔ وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں اور وہی طرز ادا اور وہی بحریں ہیں۔ اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اردو کے کسی مشہور شاعر سے کم نہیں ہے۔ عشق و مستی اور تصوف میں اس کا کلام کسی سے پیچھے نہیں ہے بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرما دیا ہے"

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک بات نئی دیکھی گئی ہے۔ جو اردو شعراء میں سوائے سودا اور نظیر کے کسی دوسرے کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اُس نے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت حمد و نعت منقبت و مرثیے تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے مثلاً متعدد مثنویاں پھولوں میووں پر ہیں جن میں ایران اور خراسان ہی کے میوے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھلوں کا بیان کیا ہے۔ دو مثنویاں سبزہ زار کا اور شکاری پرندوں کے بیان میں ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی مثنویاں اور غزلیں ایسی ہیں جنمیں سلطان محمد قلی نے شاہی محلات مثلاً الٰہی محل، جناں محل، باغ محمد شاہی اور اسی عہد کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم، سالگرہ کی تقریبیں، شب برات، میلاد النبی، عید غدیر، ہولی، بسنت وغیرہ پر لکھی ہیں دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور کالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے"

"اگرچہ یہ مثنویاں معمولی ہیں اور شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی ہیں لیکن ان سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے فارسی شاعری کا اندھا اتباع کیا ہے اور وہ اس قدر [illegible] ہے کہ عشق و محبت کے [illegible] باہر نکل کر صنعت و قدرت کی [illegible] کی داد دیتا ہے اور اس لحاظ سے سلطان محمد قلی بحیثیت شاعر ہونے کے خاص امتیاز رکھتا ہے [illegible] پہلا شاعر ہے جس نے اردو میں غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ [illegible] [illegible] اردو شاعری ابتدا [illegible]

اور حدیث کا مسلک اختیار کیا، اور اپنے مشاہدات کو کام میں لاکر ایسی چیزوں پر نظمیں لکھیں جن سے اردو کے بعد شعرا بھی قاصر رہے"

[illegible: margin note beside this paragraph, written sideways; partly: سلطان محمد ... سلطان عبداللہ ...]

سلطان محمد اور سلطان عبداللہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ پہلے کا تخلص ظل اللہ اور دوسرے کا عبداللہ ہے[1]۔ انکے فارسی اشعار تاریخ قطب شاہی اور حدیقۃ السلاطین میں درج ہیں[2]۔ اردو کا کلام ایک انتخاب میں جمع ہے جسے ۱۰۷۶ھ میں اردوشانی نے حیدرآباد میں مرتب کیا ہے اور اسکا ایک مطلا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[3]۔

[illegible: margin note beside this paragraph, written sideways; partly: ابوالحسن تانا شاہ ...]

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن تانا شاہ کو بھی اردو شعراء میں شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب ذیل بیت اسکے نام سے تحریر ہے[4]

کس در کہوں جاؤں کہاں مجھ دل پہ بھل بھڑاٹ ہے
ایک بات کے ہوں گے سجن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے

[illegible: margin note beside this paragraph, written sideways]

گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانہ میں اردو کے بہت سے باکمال شاعر ہوئے ہونگے اسواسطے کہ بادشاہوں کا میلان طبع جس جانب ہوتا ہے اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ انکے حالات پر گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اسکے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ نہایت جد و جہد اور تلاش و تجسس کے بعد جن شعرا کے حالات اور تصنیفات دستیاب ہوئے ہیں انکا تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۱ صفحہ ۲۸۹ رسالہ اردو جلد دوم صفحہ ۱۸ [2] حدیقۃ العالم جلد ۱ صفحہ ۲۸۹ تا صفحہ [illegible]
[3] اردو قدیم (۲۰۰) [4] گلشن ہند صفحہ ۱۵ تذکرہ میر حسن صفحہ ۶۲ گل رعنا صفحہ ۲۵ [5] گل رعنا صفحہ ۱۶

مُلّا غواصی

ملا غواصی گولکنڈے کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں ملا نصرتی نے گلشن عشق میں انکا تذکرہ کیا ہے۔

پڑھی کچھ غواصی تبھی کر خیال کیا تازہ باغ بدیع الجمال

میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں۔

"غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ (۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۷ھ) بود۔ طوطی نامہ نخشبی را نظم نموده

بزبانِ قدیم نصفے فارسی نصفے ہندی بطور ریکٹ کہانی سرسری دیده بودم شعر آن بنظم

یاد نیست"

مُلّا غواصی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں موجود ہیں۔

(۱) فسانہ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ الف لیلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک مشہور فسانہ ہے۔ اسمیں مصر کے شہزادہ سیف الملوک اور اجنہ کی شہزادی بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے غواصی نے اسے نثر فارسی سے نظم دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اور غواصی کے ایک عرصہ بعد عالمگیر کے زمانہ میں مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خان کی فرمایش سے اس داستان کو فارسی میں نظم کیا ہے غواصی کی یہ مثنوی ۱۰۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

برس ایک ہزار ہور پنج تیس میں کیا ختم یو نظم دن تیس میں

(۲) طوطی نامہ ملا ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ کا ترجمہ ہے

اور ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے غواصی نے اسکے اختتام کی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

برس یکہزار ہور چالیس پہ نو ... ہوئے تھے یو موتیاں پہ رو دیا ہو تو

تاسی جلد اول صفحہ ۴۹۴ ایتھے ۶۸۰ وِلسن صفحہ ۳۸۶ میر حسن صفحہ ۱۱۴ لسان العصر جلد (۱) نمبر (۳) صفحہ ۱۲ مثنوی سیف الملوک اور طوطی نامہ کے سنین تصنیف مولوی عبدالحق صاحب کی ایک خانگی تحریر مورخہ ۳ اپریل ۱۹۲۵ء سے اخذ کیے گئے ہیں۔ مثنوی سیف الملوک ۱۳۰۹ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے اور اسمیں اسکا تاریخی شعر اسطرح تحریر ہے۔

"برس ایک ہزار ہور تائیں میں ... کیا ختم یو نظم دن تیس میں"

لیکن ہمنے جس قدر اس مثنوی کے قلمی نسخے دیکھے ہیں انمیں یہ شعر اسی طرح درج ہے جس طرح کہ ہم نے مضمون میں لکھا ہے۔

مُلّا قطبی

ملا قطبی قطب شاہی دور کے شاعر ہیں انہوں نے ۱۰۴۶ھ میں تحفۃ النصائح کا دکھنی زبان میں ترجمہ کیا ہے تحفۃ النصائح۔ شیخ یوسف دہلوی کی تصنیف ہے یہ بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہیں اور اپنے فرزند صدر الدین ابو الفتح کی تعلیم کے لئے ۷۹۵ھ میں اسے تصنیف کیا ہے۔ اسمیں ۴۵ ابواب ہیں اور انمیں فرائض و سنن کے احکام و آداب مذکور ہیں۔

تحفۃ النصائح ۷۶۰ بیت کا بحر رجز میں ایک ہم قافیہ قصیدہ ہے ملا قطبی نے اسی بحر اور اسی قافیہ میں اسکا شعر بشعر ترجمہ کیا ہے فارسی قصیدے کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

حمد بگویم بے عدد ... مر خالق جن و بشر

کردہ معلق آسمان ... ہم اختران شمس و قمر

عظمے بداده عرش را پروز پایش طائرے

ان کا ترجمہ ملا قطبی نے یوں کیا ہے۔

بولوں صفت میں بے گنت اس خالق جن و بشر
نردھار کر اسماں رکھیا سورج ستارے ہور چندر
جوں ہنس رنگی دی عرش کوں پنکھے اڑے یک پا سیتی
جوں پیچ ہر ساں چار سو انپڑے ہزاں پائے دگر

خاتمے میں قصیدے کے ابیات و ابواب کی تعداد اور تاریخ تصنیف اسطرح مذکور ہے۔

ابیات گفتم جملگی ہفت صد براں ہفتاد و شش
ابواب او شد چہل و پنج اندر حساب و ہم حصر
ہفت صد نود و پنج دگر ہجرت محمد مصطفےٰ
عاشر ربیع الآخر یا وقت صبح روز قمر

اسکا ترجمہ یہ ہے۔

بیتاں ستر چھ سات سو اس وضع سوں میں جو کیا
باباں ہیں چالیس پانچ جو اسکوں یقیں کر تو شمر
چار بیس پندرہ سات سو ہجرت سوں تھی اس مصطفےٰ
دسویں ربیع آخر جو تھا ہور صبح صادق دن قمر

مترجم نے اپنا تخلص خاتمے میں اسطرح بیان کیا ہے۔

نارشا جہاں میں بار کیتا کیتا برائی کے جو بھی
قطبی وهیرا امید یو لایا ہوں سب صاحب نظر

"سطور بالا تحفۃ النصائح اور اسکے دکھنی ترجمے سے ماخوذ ہیں۔ تحفۃ النصائح کا دکھنی ترجمہ مدیر صاحب تاج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ شیخ یوسف چشتی مصنف تحفۃ النصائح کے حالات کے لئے دیکھیے خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۶۶ اور تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۲۵۶ کتب مذکور میں شیخ یوسف کا سنہ وفات ۱۰۱۲ھ لکھا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے کیونکہ تحفۃ النصائح اس تاریخ کے بعد ۱۰۹۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔"

ابنِ نشاطی

ابنِ نشاطی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر ہے اس نے دو کتابیں لکھی ہیں اور انہیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد کیا ہے۔

(۱) پھول بن۔ ایک فارسی کتاب بساتین کا منظوم ترجمہ ہے میجر اسٹوارٹ نے اسکا سنہ ۱۰۹۵ھ تصنیف بیان کیا ہے۔ کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے سنہ ۱۰۶۶ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن کتب خانہ آصفیہ میں جو نسخہ موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی سنہ ۱۰۶۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے چنانچہ ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے سنہ تصنیف کو اسطرح بیان کیا ہے۔

تھا تاریخ لا یو توں یو گلزار   اگیارہ سو کوں کم تھے بس یو چار

محمد ابراہیم بیجاپوری نے ۱۰۹۶ھ میں انوار سہیلی کا نثر دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اسکے دیباچے میں دکھنی کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے ہیں اور ان میں پھول بن کا نام بھی شامل ہے۔

حاجی خلیفہ نے بساتین کا نام لکھا ہے۔ یہ فارسی کی ایک مشہور کتاب ہے اور ملا احمد زبیری نے اسے سلطان محمد تغلق (۷۲۵ تا ۷۵۲ ہجری) کے زمانہ میں تصنیف کیا ہے۔

(۲) طوطی نامہ۔ شیخ ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ سے ماخوذ ہے پروفیسر تاسی نے اسکا سنہ ۱۰۴۹ھ تصنیف بیان کیا ہے لیکن میجر اسٹوارٹ کے بیان سے ۱۰۶۱ھ میں اسکا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

تاسی جلد اول ص ۲۵۶ اسٹوارٹ ص ۱۸۱، اینتھے نمبر (۱۲۸۴) لسان العصر جلد ۱ نمبر ۳ ص ۲۲۲ ترجمہ انوار سہیلی ص [illegible] حاجی خلیفہ جلد دوم ص [illegible]۔ فہرست کتبخانہ آصفیہ جلد دوم ص ۱۵ کتب خانہ آصفیہ میں مثنویات اردو کے نمبر ۱۲ پر اسکا ۱۱۳۳ھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔ طوطی نامہ کے لئے دیکھیے دوسرا ضمیمہ

جنیدی

شیخ احمد نام ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں اسنے ماہ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے ٹیپو سلطان کے کتبخانہ میں اسکا ایک نسخہ موجود تھا لیکن اسوقت کمیاب ہے یہ مثنوی ۱۰۶۴ھ میں تمام ہوئی ہے اور مصنف نے اسکا سال تصنیف اسطرح بیان کیا ہے۔

نبی کی سو ہجرت کا جو تھا قرار
چہار سال تین بیس بھی ایک ہزار

اسٹوارٹ ص ۱۷۹

طبعی

طبعی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا معاصر ہے اسنے سنہ ۱۰۸۱ھ میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے جسمیں بہرام و گل اندام کا فسانہ مذکور ہے اور اسکا دیباچہ شاہ راجو حسینی کے نام سے منسوب کیا ہے خاتمہ میں ابوالحسن تانا شاہ کی مدح و ستایش بیان کی ہے شاہ راجو حسینی گولکنڈہ کے مشہور بزرگ ہیں خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے سنہ ۱۰۶۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے ابوالحسن تانا شاہ جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کا داماد و جانشین ہے آپ کا مرید تھا۔

بہرام گور ایران کے خاندان ساسانیہ کا چودھواں بادشاہ ہے اسکے حکایات فارسی میں نظامی اور ہاتفی نے نظم کیے ہیں اور انہیں ہفت پیکر و ہشت منظر کے ناموں سے نامزد کیا ہے ان ناموں کے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بہرام کی سات بیویاں تھیں اور وہ سات مختلف باغوں میں الگ الگ رہتی تھیں۔

طبعی نے اپنی مثنوی کو ہفت پیکر سے اخذ کیا ہے لیکن اسنے نظامی اور ہاتفی کی طرح اسکا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے۔ خاتمہ میں قصہ بہرام و گلندام کے نام سے موسوم کیا ہے اور اسکی ابتدا ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

الٰہی بچن کا مجھے تاپ دے   مری جیب کی تیغ کوں آب دے

اسپرنگر صفحہ ۱۳۲ اسٹوارٹ صفحہ ۱۷۹ ایتھے ۲۱۱۷ ہاتفی کا پانچواں خمسہ یہ ترجمہ

نواب مسعود یار جنگ بہادر اردو جلد سوم ص۲۱۲ مترجم نے قطبی کا تلفظ تابی لکھا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔
شاہ راجو حسینی کے لئے دیکھئے تاریخ خورشید جاہی ص۲۲۵ اور بہرام گور کے لئے ڈاکٹر اسپیگل کی کتاب عقائق ایران جلد سوم ص۳۴

نوری

نوری کا نام شجاع الدین ہے۔ گجرات کے سادات سے تھے اور حیدرآباد میں رہا کرتے تھے سلطان ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کے وزیر سید مظفر کے لڑکے کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔

نوری پیس کے دل کی کسی نے کہا تھا حاصل بھلا اب اس سے ذوا تیے جو سو تھا

قاسمی جلد دوم ص۸۹ میر حسن ص۱۹۹ لسان العصر جلد اول نمبر ۳ ص۱۱۹

نوری - دو بزرگوں کا تخلص ہے - ایک نوری حیدرآبادی جنکا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے - دوسرے نوری - اعظم پور کے باشندے تھے - شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں انہیں ملا فیضی سے بے حد ربط و ضبط تھا - قاسم چاندپوری اور میر حسن دہلوی نے اپنے تذکروں میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے (تذکرۂ حسینی ص۱۹۹)
"ہرکس کہ خیانت کند البتہ بترسد بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرتا ہے"
پروفیسر قاسمی کو نوری کا تذکرہ لکھنے میں تخلص کے ایک ہونے کی وجہ سے سخت اشتباہ ہوا ہے اور نوری حیدرآبادی و نوری اعظم پوری دونوں کو ایک سمجھکر ان کے حالات مخلوط کر دئے ہیں۔
انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں جو مضمون "زبان اردو" پر لکھا گیا ہے اسمیں بھی کاتب مضمون نے پروفیسر موصوف کی اتباع کے باعث یہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔
ملا فیضی کا سنہ ۱۰۰۴ھ میں انتقال ہوا ہے (بدایونی ص۲۹۹ تا ثر الکرام ص۱۹۹)
ابوالحسن تاناشاہ کی تخت نشینی کے بعد ۱۰۸۳ھ میں سید مظفر کو عہدہ وزارت ملا ہے (حدیقۃ العالم جلد اول ص۳۹۶) فیضی کی وفات اور سید مظفر کی وزارت کے مابین اکیاسی سال کا زمانہ گزرا ہے۔ اس طویل مدت کو طے کر کے فیضی کے دوست کا سید مظفر کی ملازمت کرنا بعید از قیاس امر ہے۔

فائز

گولکنڈہ کا شاعر اور ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کا معاصر ہے تھا یعنی سلطنت قطب شاہیہ سے چار سال پہلے ۱۰۹۴ھ میں اسنے قصہ رضوان شاہ و روح افزا کو نظم کیا ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ اسکا ایک قلمی نسخہ ۱۲۲۴ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ یہ فسانہ نثر فارسی میں تھا بعض دوستوں کی فرمایش سے فائز نے نظم دکھنی میں اُسکا ترجمہ کیا۔ ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

اول نام حق کا لے بولوں سخن ہندواں وسکی توحید کہولوں دہن

تاریخ تصنیف اسطرح بیان کی ہے۔

تہا جس وقت سال ہجر تہزار اُس اوپر نود و چے اوپر چہار

مثنوی کا نام قصہ رضوان شاہ رکہا ہے اور خاتمہ میں اسکا ذکر اسطرح کیا ہے

ہوا قصہ رضوان شاہ کا تمام نبی اور ولی ہزاراں سلام

اسپرنگر صفحہ ۶ اسٹوارٹ صفحہ ۱۷۹

ڈاکٹر اسپرنگر نے فائز کا املا بجائے زائے منقوط کے ضاد منقوطہ سے فائض لکھا ہے۔

فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد دوم صفحہ ۱۲۸۴ میں اسکا نام قصہ روح افزا درج ہے جو غلط ہے۔ اور کتب خانہ مذکور میں اسکا نسخہ فن قصص نمبر ۱۴۱ پر محفوظ ہے۔

شاہی

ان کا نام شاہ قلی خاں ہے۔ حیدرآباد کے باشندے اور قطب شاہی لشکر میں ملازم تھے۔ رفتہ رفتہ تانا شاہ کے مصاحب ہو گئے۔ مرثیہ خوب کہتے تھے ان کا ایک شعر مشہور ہے۔

الناس کا غیر ہے کوئی جھوٹ کو سچ مجھے کہے
کس کس کا منہ موندوں آہ کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

میر حسن ص ۱۲۳ سخن شعرا ص ۲۴۰

مرزا

ان کا نام ابوالقاسم ہے حیدرآباد کے باشندے تانا شاہ کے مقرب تھے اورنگ زیب عالمگیر نے جب حیدرآباد فتح کیا تو فقیر ہو کر عبداللہ گنج میں گوشہ نشین ہو گئے اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں ان کے دو شعر نقل کیے ہیں۔

عارض نہیں چندر کا ترے گال سو اچھا — سمجھوں ہوں میں کلف کو نہ تجھ خال سو اچھا
مرزا وہ نہال کدھر مٹ گئے چمن — لگتا تھا جن کے ہاتھ پہ گل ڈال سوں اچھا

میر حسن ص ۱۶۸

سلطنت عادل شاہیہ

سنہ ۸۹۵ھ — سنہ ۱۰۹۷ھ

(۱) یوسف عادل شاہ	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۹۱۶ھ[1]
(۲) اسمٰعیل عادل شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۴۱ھ
(۳) ملو عادل شاہ	سنہ ۹۴۱ھ	
(۴) ابراہیم عادل شاہ اوّل	سنہ ۹۴۱ھ	سنہ ۹۶۵ھ
(۵) علی عادل شاہ اول	سنہ ۹۶۵ھ	سنہ ۹۸۸ھ
(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۳۷ھ
(۷) محمد عادل شاہ	سنہ ۱۰۳۷ھ	سنہ ۱۰۶۷ھ
(۸) علی عادل شاہ ثانی	سنہ ۱۰۶۷ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ
(۹) سکندر عادل شاہ	سنہ ۱۰۸۳ھ	سنہ ۱۰۹۷ھ

سلاطین عادل شاہیہ کا سلسلۂ نسب روم کے سلاطین عثمانیہ سے ملتا ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان مراد (سنہ ۸۲۴ھ — سنہ ۸۵۵ھ) کے دو فرزند تھے۔ [illegible]

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۳ طبقات اکبری میں سنہ ۹۱۳ھ تحریر ہے۔ رفیع الدین شیرازی نے تذکرۃ الملوک میں اور اسد خاں نے سراج التواریخ میں سنہ ۹۲۵ھ لکھا ہے۔ بساتین السلاطین صفحہ ۲۱

۸۹۵ھ) محمد خان و یوسف خان ۸۵۵ھ میں جب سلطان مراد کا انتقال ہو گیا تو شاہزادہ محمد[1] بر سر حکومت ہوا اور اس خیال سے کہ شاہزادہ یوسف کی وجہ سے تخت و تاج کے لیئے آیندہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو اسکے قتل کا حکم دیدیا۔ افسران سلطانی شاہزادہ یوسف کے لیئے اسکی ماں کے یہاں گئے۔ اسنے شاہزادہ کو حوالہ کرنے کے لیئے ایک روز کی مہلت لی اور اس عرصہ میں ایک ایرانی تاجر خواجہ عماد الدین گرجستانی کو بلا کر شاہزادے کو ایک کنیز[2] کے لباس میں پوشیدہ کیا تھا اسکے حوالہ کر دیا۔ تاکہ اُسے دار الحکومت سے لیکر فرار ہو جائے اور شاہزادے کے بجائے ایک چرکس غلام کو جو شاہزادے کا بالکل ہم شبیہ تھا رات کو مسموم کر دیا اور صبح اسکی لاش افسران سلطانی کے حوالہ کر دی۔ غلام کا جنازہ سلطانی رسم و رواج کے موافق سپرد خاک کیا گیا۔ اور خواجہ عماد الدین شاہزادہ یوسف کو لیکر اسی شب میں ترکوں کے دار الحکومت سے نکلا اور وہاں سے ایران میں آ کر ساوہ میں پناہ گزین ہوا۔

خواجہ عماد الدین اور یوسف کئی سال تک ایران میں مقیم رہے اسکے بعد دونوں ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے بندر ہرموز سے جہاز پر سوار ہو کر ۸۶۴ھ میں مصطفےٰ آباد دابل پر اُترے اور یہاں بہمنیوں کے دار السلطنت احمد آباد بیدر آ کر خواجہ محمود گاواں کے مہمان ہوئے۔ خواجہ محمود گاواں نے یوسف کی سرگذشت بادشاہ سے بیان کی اور سفارش کی کہ

---

[1] سلطان مراد سلطنت عثمانیہ کا چھٹا فرمانروا ہے اسکا جانشین سلطان محمد ہے جسے اہل تاریخ فاتح قسطنطنیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۸۵۵ھ سے ۸۸۶ھ تک حکمران رہا۔ اسی نے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا۔ مولانا جامی نے اسکی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔

شاہی جلوس میں شامل کرادیا شاہزادہ یوسف نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا اسلئے محمد شاہ بہمنی (۸٦٧ تا ۸۸٧ھ) کے دربار میں اُسے بے حد تقرب حاصل ہوگیا یہاں تک کہ ۸۸۳ھ میں بادشاہ نے اُسے جنیر کا صوبہ دار بنادیا اسکے بعد بیجاپور کا سرلشکر مقرر ہوا اور مدت دراز تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا محمود شاہ بہمنی (۸۸٧ تا ۹۲۴ھ) کے زمانہ میں جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے قریب ہوگئی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے ۸۹۵ھ میں اسنے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اور بیجاپور کو مستقر حکومت قرار دیکر اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا۔

سلطنت عادل شاہیہ بیجاپور

یوسف عادلشاہ کے بعد اسکی اولاد میں یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کچھ کم دوسو برس حکومت قائم رہی یوسف عادلشاہ اور اسکا جانشین اسمٰعیل عادلشاہ دونوں فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مورخ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اُن کا کلام نقل کیا ہے اور اسمٰعیل عادل شاہ کی نسبت لکھا ہے کہ۔

سلاطین عادل شاہیہ اور زبان اردو

"ہیچ یک از سلاطین دکن بمتانت و لطافت او سخن نگفتہ"

اسمٰعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اور اسکے بعد علی عادلشاہ بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ دونوں بادشاہ ارباب کمال کے بڑے قدردان تھے انکے عہد میں

یوسف عادل شاہ کی اصلیت اور روم سے فرار ہوکر ہندوستان آنے اور بیجاپور میں برسرحکومت ہونے تک جو واقعات گذرے ہیں اون کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم، منتخب اللباب جلد سوم، بساتین السلاطین، ہنری کزنز کی انگریزی کتاب آرکیالوجی آف بیجاپور کا ضمیمہ جس میں سلطنت عادل شاہیہ کے تاریخی حالات تحریر ہیں

عراق وعجم کے سینکڑوں اہل علم نے آکر بیجا پور کی سکونت اختیار کر لی تھی
اور اس عہد میں یہ شہر ایران کا نمونہ بن گیا تھا۔

علی عادل شاہ نے ملا فتح اللہ شیرازی کو جسے علماء عراق عقل کل کی
کے لقب سے یاد کرتے ہیں ہزاروں روپیہ صرف کر کے شیراز سے بلایا تھا۔ اسکا
وزیر افضل خان شیرازی بہت بڑا عالم تھا اور اسکی فیاضیوں سے بیجا پور
میں کثرت سے علماء وفضلا جمع ہو گئے تھے۔ افضل خاں اور ملا فتح اللہ
کے مکانات پر روزانہ علمی جلسے ہوا کرتے تھے۔ علی عادل شاہ ہفتہ میں
تین بار دربار شاہی میں علماء وفضلا کو جمع کرتا تھا اور یہ لوگ بادشاہ کے روبرو
علمی مباحثہ ومذاکرہ کیا کرتے تھے۔

ابراہیم ثانی جو علی عادل شاہ کے بعد تخت وتاج کا مالک ہوا ہے ہندوستان
کے مسلمان بادشاہوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اسنے اپنے زمانہ میں
علم وہنر کے پھیلانے میں جو کوششیں کی ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ اسکے
دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے مثلاً

نورالدین ظہوری جسکی نظم ونثر ساری دنیا میں مشہور ہے۔

ملا ملک قمی جسنے نظامی کی مخزن الاسرار کا جواب لکھا بادشاہ سے
اسکے صلہ میں ایک بار شتر زر طلا حاصل کیا ہے۔

حکیم محمد قاسم فرشتہ جسنے بادشاہ کے حکم سے ہندوستان
کی بے مثل وبے نظیر تاریخ لکھی ہے۔

عبدالرشید التستری جسنے بادشاہ کی فرمائش سے علاء الدین محمد بن زکریا رازی

کی عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔
ملا رفیع الدین شیرازی جنہوں نے بادشاہ کے ایما سے روضۃ الصفا کا خلاصہ لکھا ہے۔ اور سلاطین بہمنیہ اور شاہان عادلشاہیہ کی ایک مبسوط تاریخ تذکرۃ الملوک کے نام سے تصنیف کی ہے۔
شیخ علم اللہ محدث خاتم المحدثین شیخ شہاب الدین ابن الحجر المکی کے شاگرد تھے اور بادشاہ کی طرف سے بیجاپور کی جامع مسجد میں علم حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔
ابراہیم ثانی کے بعد محمد عادلشاہ اور اسکے بعد علی عادلشاہ ثانی برسر حکومت ہوئے ہیں۔ یہ بادشاہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و فضل کے حامی اور سرپرست تھے۔ محمد عادلشاہ کا درباری شاعر حکیم آتشی تھا اسنے بادشاہ کے حکم سے خمسہ نظامی کا جواب لکھا ہے ملا رفیع الدین نے تذکرۃ الملوک میں سلاطین عادلشاہیہ کے حالات ابراہیم ثانی تک لکھے تھے۔ بادشاہ کے ایما سے ملا محمد حسن نے اسکا تکملہ لکھا اور اسمیں محمد عادلشاہ کے حالات تحریر کیے۔ علی عادلشاہ ثانی کے زمانہ میں سید نور اللہ اسد اللہ قاضی سید علی محمد ایک زبردست انشا پرداز گذرے ہیں انہوں نے علی عادلشاہ ثانی کی تاریخ لکھی ہے اور اسمیں اپنے چشم دید واقعات قلم بند کیے ہیں۔ اس کتاب کی عبارت رنگین ہے اور تمام فقرے مسجع و مقفی ہیں۔

سلاطین عادلشاہیہ اور زبان اردو

سلطنت عادلشاہیہ کی بنیاد پڑنے سے مدتوں پہلے بیجاپور میں اردو زبان

عام ہوگئی تھی امیر غریب ادنیٰ اعلیٰ سب اسی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے سلاطین بہمنیہ نے یہاں کے شاہی دفتر کو بھی اسی زبان میں کر دیا تھا لیکن یوسف عادل شاہ اور اسکے فرزند اسمٰعیل عادلشاہ نے اپنے زمانہ میں شاہی دفتر کو فارسی میں منتقل کر دیا۔ کم وبیش پچاس سال فارسی عروج پر رہی ابراہیم عادل شاہ اول نے جب تاج و تخت کو حاصل کیا تو اسنے حسب سابق فارسی کے عوض شاہی دفاتر میں زبانِ اُردو کو رواج دیا اور یہ زبان سلطنت کی زبان قرار پائی۔ مورخ خافی خاں نے اس واقعہ کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وابراہیم عادل شاہ دفتر فارسی کہ بجائے دفتر ہندی حدوث پیدا و قرار داده بود برطرف مفوده بدستور سابق ہندوی مقرر نمود[1]۔

علی عادل شاہ اول (۱۵۵۸ء ۹۶۵ھ) اپنے زمانہ میں پھر فارسی زبان کو مروج کیا۔ لیکن جب ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ء ۹۸۸ھ) جب حکمراں ہوا تو شاہی دفاتر میں پھر اُردو زبان جاری ہوگئی اور سلطنت عادلشاہیہ کی تباہی تک برابر جاری رہی[2]۔

ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی میں بے حد مہارت حاصل تھی خاص کر سرود ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گوئے اوسے

---

[1] منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳ مورخ فرشتہ اور قاضی ابراہیم زبیری نے بھی قدرے اجمال کیساتھ اس واقعہ کو تحریر کیا ہے دیکھیے تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۷ بساتین السلاطین صفحہ ۲۹
[2] سلسلہ آصفیہ جلد چہارم صفحہ ۲۴۲

"جگت گرو" کہا کرتے تھے۔ اس نے علم موسیقی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں سرود ہندی کے قواعد وضوابط قلمبند کئے تھے اور اس کا نام نورس نامہ رکھا تھا۔ یہ کتاب نظم دکنی میں تھی۔ ملا ظہوری نے فارسی میں اسپر دیباچہ لکھا تھا جو اسوقت بھی موجود اور سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔

علی عادلشاہ ثانی کو زبان اردو سے بہت دلچسپی تھی اسکے زمانہ میں شعر و شاعری کا خوب چرچا تھا۔ اردو گو شعرا کثرت سے پیدا ہوگئے تھے۔ بادشاہ انکے ساتھ خاص مراعات کیا کرتا تھا۔ اور ان سے اردو میں بہت کتابیں لکھوائی تھیں اور انکے صلے میں رقومات کثیر عطا کئے تھے۔ چنانچہ مورخ خافی خاں نے لکھا ہے۔

پادشاہے بود باہوش سپاہ دوست در سخاوت شجاعت ودست خلق مشہور۔ بفضلا و علما را دوست داشتی۔ و شاعران را حرمت نمودے خصوصاً در حق شاعران ہندی زیادہ مراعات می فرمود۔ چنانچہ از ترجمہ یوسف زلیخا تالیف ملا جامی و ترجمہ روضۃ الشہدا و قصہ منوہر و مدمالت کہ تا کل حال جوانی بنظم در آوردہ ملا نصرتی و دیگر شاعران بیجاپور بزبان دکنی تالیف نمودہ از نقد و جنس صلہ وافر و خورسندیہا یافتند۔

و از جملہ شعرائے بیجاپور آں عہد میرزا تخلص شاعری بود کہ زبان خود را وقف حمد و نعت سید المرسلین و منقبت آل الطاہرین نمودہ ہرگز برائے احدے از شاہ و گدا شعر نگفت و مرثیہ بے شمار کہ در ماتم شہدائے کربلا گفتہ زبان زد خاص و عام مردم دکن و دیگر بلاد گردیدہ۔ روزے علی عادلشاہ میرزا

بحضور خود طلبیده بعد عنایات بے پایاں تکلیف نمود کہ در مدح بادشاہ زبان آشنا سازد در جواب التماس نمود۔ زبانی کہ برائے حمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ بحکم من نہ ماند۔ بعدہ کہ مکرر سلطان تکلیف نمود یک دو مرثیہ از زبان سلطان بجائے اسم خود تخلص علی عادلشاہ شاہی داخل نمود کہ ز و معنی واقع شدہ"[1]

ابراہیم زبیری نے علی عادلشاہ کے اوصاف و محاسن کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

"شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند و خانہ بخانہ ہنگامہ شعر گوئی تازہ گرم داشتہ اند۔ ازاں طبقہ یکے میاں نصرتی است کہ بہ نصرت و قار و مساعد ذہن شاقب تیغ زبان کشیدہ فتح اقلیم سخنوری کردہ بملک الشعرائی حکم شد"[2]

دربار عادل شاہی کے شعرا کی تعداد اگرچہ سینکڑوں سے متجاوز ہوگی مگر تذکرہ نویسوں کی بے التفاتی سے انکے نام تک ناپید ہو گئے ہیں بعض نام تاریخوں میں ضمناً آگئے ہیں بعض کا پتہ اون کی ان تصنیفات سے چلا ہے جو زمانے کی ناقدری کے باعث تباہ و برباد ہونے کے قریب ہو گئی ہیں۔ انہیں سے ذیل کے شعرائے بیجاپور میں خاص شہرت حاصل کی ہے۔

شعرائے بیجاپور

رسمی

رسمی کا نام کمال خاں اور اسکے والد کا نام اسمٰعیل خان ہے باپ اور بیٹے

[1] منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳۵۹-۳۶۰ [2] بساتین السلاطین صفحہ ۱۴۳

دونوں سلاطین بیجاپور کے دربار میں دارالانشاء کی افسری پر مامور تھے انھیں اس کا تخلص رستمی لکھا ہے لیکن یہ غلطی ہے رستمی نے خدیجہ سلطانہ شہر بانو بیگم کی فرمایش سے سنہ ۱۰۵۹ھ میں خاورنامہ کا فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے ۔ یہ بیگم سلطان محمد قطب شاہ (سنہ ۱۰۲۰ تا سنہ ۱۰۳۵ھ) کی دختر اور سلطان عبداللہ قطب شاہ (سنہ ۱۰۳۵ تا سنہ ۱۰۸۳ھ) کی خواہر تھی سنہ ۱۰۴۲ھ میں ابوالمنصور سلطان محمد بن ابراہیم عادلشاہ (سنہ ۹۸۸ تا سنہ ۱۰۳۵ھ) کے ساتھ اسکا عقد ہوا تھا خاورنامہ نظم ہے اور شاہنامۂ فردوسی کے جواب میں لکھا گیا ہے ۔ اسمیں امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور ہیں ۔

محمد بن حسام الدین الخوافی نے سنہ ۸۳۰ھ میں اسے تصنیف کیا ہے ۔ اور اس تصنیف کے باعث ابن حسام فردوسی ثانی کے لقب سے شہرت حاصل کی ہے ابن حسام کا سن وفات دولت شاہ نے سنہ ۸۳۷ھ اور خوندمیر نے سنہ ۹۱۲ھ لکھا ہے لیکن صحیح تاریخ سنہ ۸۷۵ھ ہے ۔

ٹاسی جلد دوم صفحہ ۵۶۹ ایتھے نمبر ۸۹۶ ریو جلد دوم صفحہ ۶۲۴ حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۳۴۳ دولت شاہ صفحہ ۱۴۷ حبیب السیر جلد سوم جزو سوم صفحہ ۲۳۹

نصرتی

نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجاپور ہے اسکے آبا و اجداد بیجاپور میں فوجی ملازم اور والد رکاب شاہی کے سلح دار تھے ۔ چنانچہ خود نصرتی نے اس کا ذکر کیا ہے ۔

کہ تہا مجہہ پدر سو شجاعت آ پ 	قدیم یک سلحدار جسمع رکاب
نصرتی کے بہائی شیخ منصور ایک اہل دل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے بیجاپور کے مشاہیر فقرا میں انکا شمار ہوتا ہے نگینہ باغ کے قریب سید شاہ عبدالرزاق قادری کی درگاہ میں ان کا مزار اب تک موجود ہے ۔
گلشن عشق کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرتی نے محمد عادلشاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۶۸ھ) زمانہ میں دربار میں رسائی حاصل کی علی عادلشاہ (۱۰۶۸ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے دور میں عروج پایا اور ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا ۔
نصرتی کی تصنیفات سے تین مثنویاں ہیں ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک غزلیات کا دیوان ہے ۔ مثنویوں کے نام یہ ہیں (۱) علی نامہ (۲) گلشن عشق (۳) گلدستۂ عشق یہ تینوں کتابیں ٹیپو سلطان کے کتبخانہ میں موجود ہتیں پروفیسر تاسی نے بہی انکا ذکر کیا ہے ۔
علی نامہ تاریخی نظم ہے ۔ اسمیں نصرتی نے علی عادلشاہ کے سوانحات و فتوحات اور مجالس عیش و طرب کے واقعات بیان کئے ہیں اور انکے ضمن میں مختلف مواقع پر قصائد مدحیہ بہی درج ہیں مارلے نے اپنی فہرست مخطوطات تاریخی میں اسکا نام تاریخ علی عادلشاہ لکہا ہے لیکن خود نصرتی نے شاہنامۂ دکن کے نام سے اسکا ذکر کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے ۔
ہوئی کیتا سخن مختصر بے گماں 	کہ یو شاہنامۂ دکن کا ہے جان
علی نامہ کا ہم نے جو نسخہ دیکہا ہے اسمیں سنہ تصنیف درج نہیں ہے لیکن مختلف قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۷۶ھ کے بعد تمام ہوئی ہے کیونکہ

کیونکہ اسمیں سب سے اخیر واقعہ بنالہ کی فتح کا مذکور ہے اور اس مقام کو علی عادلشاہ نے ۱۰۷۱ھ میں فتح کیا ہے اور اس واقعہ کی یادگار میں نصرتی نے دکھنی زبان میں ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔ جو ابراہیم زبیری کی تاریخ میں درج ہے۔

علی نے پل میں پنالہ لیا صلابت سوں

گلشن عشق میں منوہر و مدمالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے اسمیں کم و بیش چار ہزار اشعار ہیں اور ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

دہریا اس کی تاریخ کا جو خیال ‏ وہیں ہاتف غیب بھر مقال

کہیا اسکی تاریخ ہاں ہجرتی ‏ "مبارک ہے یو بہار نصرتی"

عاقل خان رازی نے بھی منوہر و مدمالتی کے فسانہ کو فارسی میں منظوم کیا ہے اور شمع و پروانہ اسکا نام رکھا ہے خوافی خان نے گلشن عشق کو عاقل خان کی مثنوی کا ترجمہ سمجھا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔ کیونکہ گلشن عشق ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوا ہے اور اسکے ایک سال بعد عاقل خان نے شمع و پروانہ لکھی ہے۔ چنانچہ شمع و پروانہ کا وہ بیت جسمیں تاریخ تصنیف کا ذکر آیا ہے یہ ہے۔

ہست اکنوں ز دور نہ طارم ‏ سال ہجرت ہزار و شصت و نہم

قصائد و غزلیات کے مجموعے اسوقت ناپید ہیں لیکن ابراہیم زبیری کے زمانہ میں مروج و متداول تھے اور انمیں قصائد و غزلیات کے علاوہ وہ نظم کے

دوسرے اصناف بھی موجود تھے۔

نصرتی کی تصانیف میں ایک قصیدہ نعتیہ بھی شامل ہے جسکے ایک سو اکتیس شعر ہیں اسمیں معراج کے حالات مذکور ہیں جسکے باعث معراج نامہ کے نام سے مشہور ہے یہ قصیدہ سلطان محمد عادلشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) کے عہد میں لکھا گیا ہے اسکے خاتمہ میں نصرتی نے بادشاہ کی مدح و ستایش بیان کی ہے اور اخیر میں اپنا تخلص اسطرح لایا ہے۔

شہ کی ثنا نصرتی نغز و نول یوں لکھی دور کے دفتر اوپر پراچھے ہر یک سخن

گل رعنا کے مصنف نے اسکا ایک نسخہ دیکھا ہے جو ۱۰۸۲ھ میں بمقام اکبر آباد مکتوب ہوا ہے اور چند اشعار اس سے انتخاب کرکے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں۔

نصرتی کا ۱۰۹۵ھ میں انتقال ہوا ہے اور انکی لاش سید شاہ عبدالرزاق قادری کی درگاہ میں شیخ منور کے مزار کے قریب مدفون ہے۔

ابراہیم زبیری نے نصرتی کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے اور انکی مضمون آفرینی، زور طبع اور اوج تخیل کو خاقانی کے ہم پایہ قرار دیا ہے

ناسی جلد دوم ص ۴۸۵ اسٹوارٹ ص ۱۷۸ و ص ۱۷۹ اسپرنگر ص ۶۳۰ مارٹن ص ۷۹ ولسن ص ۳۹۰ ایتھے نمبر ۲۳۲ ۱۶ - ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱ سلسلہ صفحیہ جلد ششم ص ۶۵۱ بساتین السلاطین ص ۴ ط ۳۷۶ و ص ۴۲۳ و ص ۴۳۸ منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۶ گل رعنا ص ۲۶ و ص ۷۹ لسان العصر جلد اول ص ۱۱۱ تذکرۂ شعرائے دکن جلد دوم ص ——

شاہ ملک

شاہ ملک بیجاپور کے باشندے اور علی عادلشاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انہوں نے ایک رسالہ احکام الصلوٰۃ کے نام سے نظم دکھنی میں لکھا ہے اور اس میں نماز کے فرائض و احکام بیان کئے ہیں۔ یہ رسالہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور ۱۰۷۷ھ میں تمام ہوا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے

یو مسلیاں کو دکھنی کیا اس سبب ۔۔۔ فہم کر کے دل میں اکر سے یاد سب
سو یو شین الف ہی و میم لام کاف ۔۔۔ قرں کوں دکھنی میں بولیا ہے صاف
سنہ یکہزار ہو ستر پو سات ۔۔۔ کیا تھا اسی سال میں یو لکاٹ

احکام الصلوٰۃ کا ایک قلمی نسخہ ۱۱۱۱ھ کا لکھا ہوا مدیر تاج کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اسی سے ہم نے یہ حالات اخذ کئے ہیں۔

امین

امینؔ شیخ امین الدین علی کا تخلص ہے۔ آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں اور علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں گزرے ہیں شاہ میراں جی شمس العشاق آپ کے دادا تھے ۱۰۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم عرفان کے حقائق و اسرار ارشاد فرماتے تھے آپ کے مریدوں نے ان اشارات کو جمع کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام جواہر الاسرار رکھا ہے۔ میں نے اس کا ایک نسخہ دیلور میں دیکھا

جسکا حجم پانسو صفحات سے زیادہ ہے اور اسمیں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں اور ان کے بعد تھوڑا سا متفرق کلام ہے۔ مدیر تاج کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ دکنی تصنیفات کا ہے جسمیں آپکے بھی دو رسالے شامل ہیں ایک رسالے کا نام رسالہ قربیہ اور دوسرے کا رسالہ وجودیہ ہے اور ان دونوں رسالوں میں تین سو بیالیس ابیات ہیں۔

روضۃ الاولیائے بیجاپور صفحہ ۱۲۲ تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۱۸۴

سیوا

ان کا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجاپور میں رہا کرتے تھے علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۰ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انہوں نے ۱۰۹۲ھ میں روضۃ الشہدا کو نظم دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اسکے بعد قانون اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جسمیں عبادات کے احکام و مسائل تحریر ہیں ان کے علاوہ بہت سے مرثیے بھی لکھے ہیں جو بقول مولانا آزاد دکن کے امام باڑوں میں اب تک پڑھے جاتے ہیں۔

روضۃ الشہدا مولانا کمال الدین حسین الواعظ کی تصنیف ہے مولانا حسین واعظ ہرات کے باشندے اور اپنے عہد کے مشہور واعظ ہوئے ہیں سلطان حسین مرزا کے معاصر تھے ۹۱۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہے انوار سہیلی اخلاق محسنی تفسیر حسینی وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں روضۃ الشہدا شہدائے کربلا کے حالات میں ایک مشہور اور مقبول عام

کتاب ہے۔ سیوا کے بعد دکن کے اکثر شعرا نے واقعات کربلا کو منظوم کیا ہے اور ان سب کا ماخذ بھی یہی فارسی کتاب ہے۔

ٹ تاسی جلد سوم ص ۱۴۲ اسٹوارٹ ص ۱۸۱ آبحیات ص ۷۲ لسان العصر جلد اول ص ۱۱۶ حبیب السیر جلد سوم جزء سوم ص ۳۴۱

مومن

ان کا نام عبدالمومن ہے چنیا پٹن کے باشندے تھے۔ یہ شہر علاقہ میسور میں واقع ہے جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عادلشاہی عملداری میں شامل تھا۔ مومن مہدوی مذہب کے پابند تھے انہوں نے اسرار عشق کے نام ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اور اسمیں اپنے ہادی و پیشوا حضرت سید محمد صاحب جونپوری کے حالات و کرامات تحریر کیے ہیں یہ کتاب نظم میں ہے اور ۱۰۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے اسکا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

ہاشمی

ان کا نام سید میراں اور وطن بیجاپور ہے علی عادلشاہ ثانی (۱۰۶۷ تا ۱۰۸۳ھ) کے عہد میں گذرے ہیں۔ سید شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے اور اسی مناسبت سے ہاشمی تخلص کرتے تھے شاہ ہاشم بیجاپور کے مشاہیر اولیا سے ہیں شاہ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے تھے ۱۰۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ہاشمی نے اپنے مرشد کی فرمایش سے یوسف زلیخا کا فسانہ منظوم کیا ہے

خافی خاں نے اپنی تاریخ میں اور محمد ابراہیم نے ترجمۂ انوار سہیلی کے دیباچہ میں اسکا ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے

یہ مثنوی سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ ۱۰۹۷ھ) کے اوائل عہد میں شاہ ہاشم کی وفات سے ترتالیس سال بعد ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ ترجمہ یوسف زلیخا میں تاریخ اختتام کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

مرتب کیا میں یہ قصہ کو تو ہزار اک برس پر تھے نود پو نو

اسمیں چھ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں اور آغاز اسکا حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

ثنا حمد اسکوں سزاوار ہے سگل عشق جسکا یو ستار ہے

اس مثنوی کا ایک نسخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۱۷۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اور دو نسخے جرمن کی اورنٹیل سوسایٹی کے کتبخانہ میں محفوظ ہیں ہاشمی نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا جسمیں قصائد و غزلیات کے علاوہ مرثیے اور قطعات اور رباعیات بھی تھے۔ یہ مجموعہ اسوقت نایاب ہے لیکن جن لوگوں نے اسے دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ انکی جسقدر غزلیات ہیں انکا بیشتر حصہ ریختہ کی بجائے ریختی میں ہے اور اسمیں عورت کا عشق مرد کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

تذکرۂ شعرائے دکن میں ہاشمی کا سال وفات ۱۱۹۰ھ تحریر ہے لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ ہاشمی شاہ ہاشم کے مرید اور علی عادلشاہ

کے معاصر ہیں اور تاریخ مذکور اس عہد سے سو سال بعد کی ہے مصنف گل رعنا
نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا ہے اور بجائے سنہ ۱۱۰۹ھ کے سنہ ۱۰۹۰ھ قرار دیکر اسکی
تصحیح کی ہے لیکن یہ تاریخ بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے کیونکہ سنہ ۱۰۹۰ھ کے
نو سال بعد سنہ ۱۰۹۹ھ میں ہاشمی نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے حقیقت
میں ہاشمی کے انتقال کی صحیح تاریخ سنہ ۱۱۰۹ھ ہے جس کو مصنف کتاب
اعراس بزرگاں نے لکھا ہے۔

ابراہیم زبیری نے ہاشمی کا تذکرہ الفاظ ذیل میں تحریر کیا ہے۔

و نیز از جملہ ہندی گویان آں زمان یکے میاں ہاشمی است کہ بفیض لعاب دہن
مبارک حضرت سید شاہ ہاشم قدس سرہ زبان شیرین بیان کشادہ از سخنوران
گوے سبقت ربودہ قصۂ یوسف زلیخا را بہ محاورہ آں زمان بزبان دکھنی نظم
نمودہ و دیوان غزل مشتمل مضامین سنجیدہ و تلازمات شعری ہم دارد کہ مقبول
طبائع افتادہ و در شعر طرازی نادر روشی غریب ورزیدہ کہ کسی برو سبقت نگرفتہ
باوجودیکہ بصیر مادر زاد بصیرت چشم بینا۔

فہرست کتبخانہ جرمن اورینٹل سوسائٹی جلد دوم صـ ۱۶۲ بساتین السلاطین
صـ ۴۳۲ منتخب اللباب جلد سوم صـ ۳۶۰ ترجمہ انوار سہیلی صـ ۱۱ روضۃ الاولیا
صـ ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم صـ ۱۲۰ گل رعنا صـ ۱۲ لسان العصر
جلد اول صـ ۱۱۴

مرزا

ان کا وطن بیجاپور ہے نصرتی اور علی عادلشاہ ثانی (سنہ
کے معاصر ہیں۔ صرف مرثیے اور نعت و منقبت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے تمام عمر اپنی زبان کو کسی امیر یا بادشاہ کی مدح و ستایش سے آلودہ نہیں کیا ایک دفعہ علی عادلشاہ نے ان سے اپنی مدح کہنے کی فرمایش کی اور اس پر مکرر اصرار کیا تو مرزا نے ایک دو مرثیے لکھے اور اسمیں اپنے تخلص کے بجائے بادشاہ کا نام درج کر دیا۔

مرزا نے علی عادلشاہ کے زمانے میں وفات پائی ہے ابراہیم زبیری نے لکھا ہے کہ مرزا محرم میں دسویں شب مجالس عزا میں مرثیہ خوانی کی (...) طہارت کے لئے باہر نکلے تو انکو کسی دشمن نے خنجر سے شہید کر دیا۔ دن نکلنے کے بعد جب شہر کے علم اور تعزیئے نکلے تو انکے پیچھے مرزا کا جنازہ بھی نکالا گیا۔ اور شہر کے باہر شاہ مرتضیٰ قادری کے مقبرے میں انکی لاش سپرد خاک کی گئی۔

منتخب اللباب جلد سوم ص ۱۱۲ بساتین السلاطین ص ۳۴۲ گل رعنا ص ۲۷

شعرائے دکن

مغلوں کے عہد حکومت میں

شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء) نے پہلے پہل ۹۹۵ھ میں دکن پر حملہ کیا اور اسکے بعد شاہان مغلیہ کی پے بہ پے یورشیں ہونا شروع ہوئیں ۱۰۴۵ھ میں شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ ۱۰۶۹ھ) نے فوج کشی کی اور کئی معرکوں کے بعد احمد نگر پر قبضہ کر لیا - اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ ۱۱۱۸ھ) اپنے ایام حکمرانی میں ۱۰۹۰ھ سے ۱۰۹۹ھ تک کچھ کم دس برس شاہان دکن کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف رہے ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت پر قبضہ کیا اسکے بعد سلطنت قطب شاہی پر فوج کشی کی اور کامل نو مہینے کی معرکہ آرائی کے بعد ۲۳ ذی القعدہ ۱۰۹۹ھ کو گولکنڈہ فتح ہوا اور اسطرح ان عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعرائے اردو کے ساتھ بیحد مراعات کیئے جاتے تھے۔ اور انہیں اپنی تصنیفات کے صلہ میں ہزارہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا امراء و سلاطین دکن کی قدردانیوں نے ان میں یہ مذاق پیدا کیا تھا۔ اسلئے اندیشہ تھا کہ ان حکومتوں کے خاتمہ کے ساتھ اردو شاعری کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا سبب اس کا یہ تھا کہ اس زمانہ میں زبان اردو دکن ہی

عموماً اور مسلمانان دکن میں خصوصاً اس قدر عام ہوگئی تھی کہ بات چیت اور لین دین خط وکتابت یہ تمام باتیں اسی زبان میں ہوا کرتی تھیں ایسا شخص شاذ و نادر ہی نکلتا جو فارسی یا کسی اور زبان کو استعمال کرتا تھا۔ زبان اردو کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اردو شعر و شاعری پھیل گئی تھی اور بلا کسی امید صلہ کے تمام ذی استعداد اسکی طرف رجوع ہوگئے تھے اور محض اپنے ذاتی شوق اور رجحان عام کے باعث اسکو اپنا مشغلہ بنا لیا تھا اور ان سلطنتوں کی تباہی کا اس پر کوئی اثر نہ پڑسکا اور یہ مذاق سخن اپنی حالت پر برابر قائم اور برقرار رہا۔

مغلیہ تسلط کے بعد دکن میں جن شعرائے شہرت حاصل کی ہے اونکے نام اور تصنیفات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

عاجز

ان کا نام محمد علی ہے۔ دکن کے باشندے تھے لیکن ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہوا کہ کس شہر کے رہنے والے تھے اور دکن کا کونسا خطہ ان کا وطن تھا۔ دکنی سلطنتوں کی تباہی اور اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات کے زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی تصنیفات سے کتب ذیل موجود ہیں۔

(۱) قصۂ فیروزشاہ۔ منوچہر خاں حاکم مشہد (۱۰۲۴ھ سے تک) کے عہد میں نثر فارسی میں ایک کتاب محبوب القلوب لکھی گئی ہے جس میں

مختلف قصص و حکایات جمع ہیں منجملہ اُنکے ایک قصہ فیروزشاہ کا ہے جسے عاجز نے اُردو میں نظم کیا ہے۔

پروفیسر ولسن کا (جس نے کرنل میکنزی کے مخطوطات مشرقیہ کی فہرست بنائی ہے) بیان ہے کہ فیروزشاہ کے قصہ میں بہت سی باتیں گل بکاولی کی داستان سے ملتی جلتی ہیں۔ اس قصہ کا ایک نسخہ جو سنہ ۱۱۵۹ھ کا لکھا ہوا ہے انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس سے ثابت ہے کہ عاجز نے اسے سنہ ۱۱۵۹ھ سے پہلے تصنیف کیا ہے۔

(۲) قصہ لال و گوہر۔ بنگالہ میں زمرد شاہ اور نگینہ میں جواہر شاہ دو بادشاہ تھے۔ لال زمرد شاہ کا فرزند اور گوہر جواہر شاہ کی دختر تھی اس میں ان دونوں کے عشق و محبت کا فسانہ مذکور ہے یہ فسانہ اندر سبھا کے قصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور اسکو میر حسین علی عزت نے ٹیپو سلطان کے حکم سے سنہ ۱۱۹۲ھ میں بمقام سرنگا پٹم نظم فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور اسکی تاریخ اسطرح بیان کی ہے۔

ز ہجرت یکہزار و صد و ہشتاد ۔۔۔ کہ بود اثنا عشر بالائے تعدا

قصہ لال و گوہر بمبئی میں چھپ گیا ہے اور عام طور پر ملتا ہے۔ پروفیسر تاسی نے بھی اس کا فرانسیسی میں خلاصہ کیا ہے جو اون کی تاریخ میں بطور ضمیمہ شامل ہے ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

الٰہی دے مجھے رنگیں بیانی ۔۔۔ عطا کر مجکوں یاقوت معانی

(۳) قصہ ملکہ مصر۔ یہ قصہ بھی فارسی نثر میں تھا۔ عاجز نے اسے

دکھنی میں نظم کیا ہے۔ ابتدا اسکی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

رکھا ہے معلق زمین آسماں   چلاتا ہے یو تخت زمین زماں

تذکرہ شعرائے دکن میں لکھا ہے کہ لال و گوہر عارف الدین خاں عاجز کی تصنیف ہے مصنف گل رعنا نے بھی اسی کا اتباع کیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے کیونکہ عارف الدین عاجز کا جو دیوان موجود ہے اور اسمیں ان کا جس قدر کلام ہے وہ سب ایہام اور ذو معنی صنعتوں سے مملو اور فارسی زبان کے اثر سے متاثر ہے۔ برخلاف اس کے لال گوہر کی زبان بہت صاف و سادہ ہے اور اس کے ساتھ طرز ادا اور طریقہ بیان بھی دکھنی ہے اور ان کو باہم مقابلہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مختلف شاعروں کا کلام ہے۔

۱۶۱۶ / ۹۸۰۰

ناسی جلد اول ص۱۶۸ اسپرینگر ۵۹۹ اسٹوارٹ ص۱۷۲ قیصر نمبر لسان العصر جلد اول نمبر ۵ ص۳۷

بحری

دکن کے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے ان کا نام قاضی محمود ہے والد کا نام بحر الدین تھا اور وہ قاضی دریا کے لقب سے مشہور تھے قصبہ گوگی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے ان کا وطن تھا ۱۰۹۰ھ کے قریب اپنے وطن سے بیجاپور چلے گئے تھے اور وہاں سکندر عادل شاہ انکا معتقد ہوگیا تھا اسکے دربار میں سال دو سال مقیم رہے

اور جب بیجاپور کی سلطنت ۱۰۹۷ھ میں تباہ ہوگئی تو وہاں سے حیدرآباد چلے آئے فارسی اور دکنی زبانوں میں مثنویات، غزلیات، رباعیات اور قصائد کا بہت بڑا ذخیرہ آپنے تصنیف کیا تھا جن کے اشعار پچاس ہزار کے قریب تھے۔ بیجاپور سے حیدرآباد آتے ہوئے راستہ میں راہزنوں نے آپ کا مال و اسباب لوٹ لیا اسمیں یہ ذخیرہ بھی تلف ہوگیا۔ قاضی صاحب نے یہ واقعات عروس عرفان کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں اور انکے خاص الفاظ یہ ہیں۔

"سکندر عادل خان کہ ختم والیان بیجاپور است چندے صحبت ہا اتفاق شدہ بود پیش وے یک دو سال اقامتے میداشتم

مثنویات و غزلیات و رباعیات و قصائد وغیرہ در معارف بزبان دکھنی و فارسی قریب پنجاہ ہزار بود۔ بعد انقراض حکومت بیجاپور ہمراہ اسباب بیش قیمت را کہ سکندر عادل خان بیجاپوری بجہت [illegible] بحیدرآباد روانہ کردیم در راہ قطاع الطریق آن اسباب ہا را تلف نمودند و ہمراہ او نیز ذخیرہ کلام ہم تلف شد"

قاضی صاحب نے تصوف میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام [illegible] ہے۔ یہ مثنوی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اسکی وفات سے سات سال پہلے ۱۱۱۲ھ میں تمام ہوئی ہے چنانچہ خاتمہ میں اسکی تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے۔

ہجری تھی یہی کتک برس تھے   بارہ اُپر ایک سو برس تھے

ہزار

بعض مریدوں کی فرمایش سے قاضی صاحب نے من لگن کے مضامین فارسی میں لکھے اور اس کا نام عروس عرفان رکھا یہ کتاب ۱۱۶۱ھ میں تمام ہوئی ہے۔

من لگن میں مشکل اور عسیر الفہم الفاظ کثرت سے آئے ہیں سید شاہ اسمٰعیل بن سید شاہ احمد القادری الملتانی بن سید محمد بن سید نور الحسن الباقری الورنگلی نے نواب شہامت جنگ بہادر کے ایما سے اسکے تمام مشکل و مغلق الفاظ کا حل لکھا ہے اور اس کا نام ارشاد من لگن رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حالات من لگن خاتمہ عروس عرفان و دیباچہ ارشاد من لگن سے ماخوذ ہیں من لگن مدراس اور بنگلور میں کئی بار چھپی ہے۔ مدراس ۱۲۶۱ھ و ۱۳۰۷ھ بنگلور ۱۳۰۱ھ و ۱۳۳۵ھ

امین

ان کا نام شیخ محمد امین ہے اور اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ انہوں نے یوسف زلیخا کے فسانہ کو دکہنی میں منظوم کیا ہے یہ مثنوی ۱۱۰۹ھ میں ختم ہوئی ہے ضخیم کتاب ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے اسکا جو نسخہ شاہان اودھ کے کتبخانے میں دیکھا ہے۔ اسکے تین سو اوراق ہیں اور اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے

اول تعریف حق خالق کی ملے یار کہ وے دونوں جہاں کا ہے کرن ہار

اسپرنگر صفحہ ۶۰۱

ولی دکھنی

سید محمد فیاض انکا نام ہے۔ ملا محمد باقر آگاہ نے مرأۃ الجنان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ویلور ان کا وطن تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں دکن آئے ہیں۔ دکن میں سات گڑھ ایک تاریخی مقام ہے وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہا کرتا تھا۔ ولی عرصہ تک اسکی رفاقت میں رہے پھر وہاں سے نکلکر کڑپہ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبدالمجید خاں تھے انہوں نے ولی کی قدردانی کی اور ملازمت دیکر سدھوٹ میں تعینات کر دیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن پدم کے دیباچہ میں بیان کئے ہیں

حراست خاں امیر ایک نامور تھا — سکونت گاہ او سکو سات گڑھ تھا
اتہا او اہل درد و نیک اعمال — رفاقت میں اتہا میں اسکے خوشحال
قضارا واں سوں ہو قسمت کے سبب تا — سو آیا میں طرف کڑپہ کے دھرخوا
نواب عبدالمجید ابن الحمید ایک — اتہا واں نامور صوبہ سعید ایک
سو او مجھ شجاع پروانہ لکھ کر — بسلک نوکراں میں منسلک کر
تعین کر مجکوں سدھوٹ کو رواں — کیا او صاحب [illegible]
سو حسب الحکم میں سدھوٹ کو آیا — رنگا رنگ واں تماشے میں پایا

ولی کی تصنیفات سے اسوقت دو کتابیں ملتی ہیں۔

(۱) قصہ رتن و پدم۔ اس کو ولی نے سدھوٹ میں لکھا ہے اس کا جو نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا اسکے چار سو صفحے تھے اور

کم و بیش چار ہزار ابیات تھے اسکی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

خدایا تو ہے پاک پروردگار   نرنکار و آثار و آچھی اثار

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے منجملہ

انکے دو مختلف مقام یہ ہیں۔

ولی تیرے کرم کی ہے مجھے اس   نکر اس آس سوں ہرگز تو نیرا

ولی ہے یو سب خالی بہانا   اُسی کا کام ہے دینا دلانا

(۳) روضۃ الشہدا۔ اسمیں ولی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں

ضخیم کتاب ہے اور ۱۱۱۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

کیا ہوں جب ختم یو ورد کا حال   اگیارہ سو پو تہا انیسواں سال

ڈاکٹر ایتھے نے روضۃ الشہدا کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور اس کے

مضامین کی فہرست بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔

مجلس اوّل۔ ذکر وفات جناب رسالت مآب صلعم

مجلس دوم ذکر وفات سیدۃ النسا جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

مجلس سوم ذکر وفات حضرت امیر المومنین علی ابن ابوطالب کرم اللہ وجہہ

مجلس چہارم ذکر خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام

مجلس پنجم ذکر تولد حضرت امام حسین علیہ السلام

مجلس ششم ذکر شہادت فرزندان حضرت مسلمؓ

مجلس ہفتم روانگی حضرت امام حسین از مکہ معظمہ سوئے دشت کربلا۔

مجلس ہشتم - ذکر شہادت محبان و برادران جناب سید الشہدا علیہ السلام
مجلس نہم - ذکر شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام
مجلس دہم - بقیہ حالات شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام
انکے علاوہ ولی نے ایک مناجات بھی لکھی ہے جسکے پچیس بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعہ ہیں جن سے انتخاب کرکے تین بند ہم درج ذیل کرتے ہیں

یا الٰہی توں بحق مصطفےٰ اور مرتضےٰ — فاطمہ خاتون جنت اور شاہ کربلا
عاقبت توں خیر کرنا عرض ہے میری سدا — یا صاحب عرش بریں منجہ حال پر عطا کرو

یا الٰہی زہد و تقویٰ نیں ہوا منجہ ذات سوں — کچھہ عبادت اور ریاضت نیں ہوا منجہ ذات سوں
سر بسر ہوں منفعل اس کام اور بات سوں — یا غفور المجرمیں منجہ حال پر احسان کرو

یا الٰہی از طفیل انبیاء اور اولیاء — غوث اور اقطاب ہیں جتنے جہاں کے اصفیا
آبرو رکھہ دو جہاں میں ہیچ ولی کی التجا — ہے او بندہ کمتریں منجہ حال پر احسان کرو

اسپرینگر صفحہ ۶۴۲ / ۱ ہتھے نمبر ۱۶۲ دیباچہ مراۃ الجنان صفحہ ۳
روضۃ الشہدا بمبئی میں ۱۲۹۱ھ و ۱۲۹۶ھ میں چھپ گئی ہے -

وجدی

شیخ وجیہ الدین نام ہے کرنول کے باشندے تھے صوفیانہ مشرب تھا دکنی میں کئی مثنویاں لکھی ہیں۔

(۱) مثنوی باغ جانفزا۔ یہ مثنوی ایک ضخیم مثنوی ہے اور ۱۱۴۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور مصنف نے باغ جانفزا سے اس کی تاریخ نکالی ہے۔

یو ہے بیان خاتمہ جی شکر سو بولیا ہوں میں   تاریخ جیکے ختم کا آیا ہے باغ جانفزا
۱۱۴۵ھ

دیباچہ میں وجدی نے وجہ تصنیف کو اسطرح بیان کیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنے وطن سے فتح آباد دہارور میں آئے اور اپنے ایک دوست عبدالقدوس کے یہاں مقیم ہوئے۔ عبدالقدوس ایک صوفی منش آدمی تھے اور انکے مرشد شاہ صادق بھی اسی زمانہ میں انکے یہاں آئے ہوئے تھے شاہ صاحب نے برسبیل تذکرہ ایک دلچسپ فسانہ کا ذکر کیا اور وجدی سے نظم دکنی میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی کچھ عرصہ کے بعد شاہ صاحب وہاں سے اورنگ آباد تشریف لائے اور یہاں سے اس قصہ کو وجدی کے پاس روانہ کیا۔ یہ قصہ نظم فارسی میں تھا لیکن اس میں نہ مصنف کا نام تھا نہ کتاب کے نام کا پتہ چلتا تھا۔

(۲) پنچھی باچھا۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے چنانچہ اس کو خاتمہ میں اسطرح بیان کیا ہے۔

اصل میں یو تھا کلام فارسی   اہل معنی کو مثال آرسی

خوش تر ہیں تصنیف شیخ نامدار — پیشوائے عارفانِ روزگار
شیخ صاحبدل فریدِ نامور — خاص جن کا ہے لقب عطار کر
تھا ولے جوں فارسی میں وو کلام — کم سمجھ سکتے تھے اس کو خاص و عام
گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس — تا کہ سمجھے اس کے سمجھنے کا قیاس
لیکن اسکے دیکھکر عجب بول — یک بیک ایسا یوں دل منے آیا کلول
جو موافق فہم اپنے کے ضعیف — اس کتاب خاص کا نظم شریف
قصہ کر دکھنی زباں میں لیکے آؤں — تا کہ دنیا منے میں بھی نام پاؤں

پروفیسر ہاشمی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۲۲ھ میں اختتام کو پہنچی ہے ببلیوتھیک دی پارگن لیانڈش گیسیل شافٹ میں اس کا جو نسخہ ہے اس پر سنہ ۱۱۱۵ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن ہم نے اس کے جس قدر قلمی نسخے دیکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۴۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور ان نسخوں کے خاتمے میں تاریخ کا حسب ذیل شعر تحریر ہے۔

جب کیا تاریخ کا دل میں ہوا — تب ہوا اسرار کیا خاص الکتاب
۱۱۴۶

(۳) مثنوی تحفۂ عاشقاں۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی گل و ہرمز کا ترجمہ ہے جو خسرو نامہ یا خسرو و گل بھی کہلاتی ہے۔

قضا را دیا مجکوں یک بار کا — گل و ہرمز اس شیخ عطار کا
ہوا شوق پیدا مجھے بعد ازاں — کہ دکھنی زباں میں کروں ترجماں

یہ مثنوی ۱۱۵۳ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں اسکی تاریخ اسطرح مذکور ہے۔

دسے اسکی تاریخ مجکوں عیاں — پچھا تو کہے تحفۂ عاشقاں
۱۱۵۳ھ

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے۔

کروں پاک دل ہور زباں پاک کوں تنا پاک اس عاشق پاک کوں

ٹاسی جلد دوم صفحہ ۲۲۸ فہرست کتبخانہ جرمن اورینٹل سوسائٹی جلد سوم صفحہ ۶۷

لسان العصر جلد اول نمبر ۵ صفحہ ۴۰

پنچھی باچھا بمبئی اور مدراس میں کئی بار چھپا ہے بمبئی سنہ ۱۲۸۰ھ سنہ ۱۳۱۹ھ مدراس سنہ ۱۲۷۲ھ و سنہ ۱۳۱۴ھ بمبئی کے نسخے اصلاح شدہ اور کسیقدر آخر میں کم ہیں مدراس کا سنہ ۱۲۷۲ھ کا چھپا ہوا نسخہ نہایت صحیح کامل اور قلمی نسخوں سے مطابق ہے

آزاد

فقیر اللہ نام ہے۔ حیدرآباد کے باشندے تھے۔ فراقی دکنی کے ہمراہ دہلی گئے تھے۔ ولی اورنگ آبادی کے ہمعصر ہیں۔ ولی نے ان کی غزل پر غزل لکھی ہے چنانچہ ایک شعر یہ ہے۔

آزاد سے سنیا ہوں یہ مصرعہ مناسب
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے۔

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں
پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

میر تقی میر صفحہ ۱ میر حسن صفحہ ۱۷ گل رعنا صفحہ ۸

شعرائے اورنگ آباد

اورنگ آباد۔ دکن کے شمالی خطہ کا ایک مشہور شہر ہے۔ گیارہویں صدی سے پہلے اسکی حیثیت ایک معمولی قصبہ کی تھی اور کھرکی اس کا نام تھا۔ شاہ جہان بادشاہ (۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷؁ء) کیساتھ جب ملک عنبر کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو ملک عنبر نے اس مقام کو اپنا مرکز قرار دیا اس زمانہ سے اسکی رونق بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت پیدا ہوگئی۔ نظام شاہیوں کی تباہی کے بعد جب بالاگھاٹ پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا تو یہ مقام بھی انکے قبضہ میں آگیا۔

اورنگ زیب جب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے کھرکی کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اسکا نام اورنگ آباد رکھا[۱] اسکے بعد اورنگ زیب کی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں بسر ہوا اور ایک عرصہ تک یہ شہر سلطنت مغلیہ کا مرکز حکومت بنا رہا۔ اس تقریب سے ہندوستان اور دہلی کے بڑے بڑے امراء اور علماء و مشائخین جن کو شاہی دربار سے کسی قسم کا بھی واسطہ تھا اورنگ آباد چلے آئے قریب قریب اسی زمانہ میں بیجاپور و گولکنڈے کی سلطنتیں تباہ ہوئیں اور یہاں کے باشندے بھی پریشان و منتشر ہوکر اورنگ آباد کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان اسباب نے کچھ عرصہ کے لئے اورنگ آباد کو اردو شاعری کا

---

[۱] امپیریل گزیٹیر جلد دوم صفحہ ۲۰

مرکز بنا دیا اور یہاں سے اس عہد میں بہت سے اردو گو شعرا پیدا ہوئے جنکے حالات سید عبدالولی عزلت کی بیاض لچھمی نارائن شفیق کے چمنستان شعرا۔ میر بہاؤالدین عروج کے بہار و خزاں اور محمد افضل قاقشال کے تحفۃ الشعرا میں تحریر ہیں اور ان سے اخذ کرکے اگر ان شعرا کا تذکرہ لکھا جائے تو خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہم نے بنظر اختصار صرف ان شعرا کا حال درج کیا ہے جنھوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

وَلیؔ (اورنگ آبادی)

ولیؔ کے نام اور وطن کی نسبت تذکرہ نویسوں نے سخت اختلاف کیا ہے۔ میر حسن دہلوی۔ مرزا علی لطف اور عبدالغفور خاں نساخ نے انکا نام ولی اللہ لکھا ہے۔ نواب علی ابراہیم خاں اور یوسف علی مرشدآبادی کے تذکروں میں شمس ولی اللہ تحریر ہے۔ مولانا آزاد نے اسی قول کی اتباع کی ہے لیکن ان کا صحیح نام جیسا کہ لچھمی نارائن شفیق اور فتح علی گردیزی نے لکھا ہے محمد ولی ہے۔ نواب علی ابراہیم خاں۔ یوسف علی۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ فتح علی گردیزی اور قیام الدین قائم نے ولی کو دکن کا باشندہ بیان کیا ہے میر حسن دہلوی۔ قدرت اللہ قاسم عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے گجرات کو ان کا وطن قرار دیا ہے

اور اس کے ثبوت میں ابراہیم ساپانی نے ولی کا حسب ذیل شعر پیش کیا ہے

ولی ایران و توران میں ہے مشہور وطن گو اسکا گجرات و دکن ہے

لیکن حقیقت میں یہ شعر اسطرح پر صحیح ہے -

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

لچھمی نارائن شفیق اور میر تقی میر نے بیان کیا ہے کہ اورنگ آباد ان کا وطن ہے - اور شفیق نے نہایت شد و مد کے ساتھ ان کے گجراتی ہونے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ :-

"مردمان نسبت او بہ گجرات دادند غلط محض است"

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم - عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ولی شیخ وجیہہ الدین گجراتی کی اولاد سے ہیں لیکن اسکی کوئی تاریخی سند نہیں بیان کی ہے - برخلاف اس کے لچھمی نارائن شفیق کا بیان ہے کہ ولی نے گجرات میں آکر شیخ وجیہہ الدین گجراتی کی درگاہ میں علم کی تحصیل کی - وہاں سے سورت گئے سورت سے بیت اللہ کا سفر کیا اور وہاں سے واپس آکر احمد آباد میں فوت ہوئے - لوگوں نے نیلی گنبد یا برج دریا کی گنبد کے قریب مدفون کیا -

اکثر تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ ولی نے دہلی کا بھی سفر کیا تھا - لیکن یہ سفر کس عہد میں واقع ہوا تھا اسمیں اختلاف ہے مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا اس کو عہد محمد شاہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں

لیکن ان کے یہاں اسکی کوئی سند نہیں ہے برخلاف اس کے قدیم تذکروں سے ولی کا عالمگیر کے عہد میں دہلی آنا ثابت ہوتا ہے اور میر حسن دہلوی - نواب علی ابراہیم خاں - یوسف علی مرشد آبادی مرزا علی لطف اور عبد الغفور خاں نساخ نے اسکو نہایت وثوق کیساتھ لکھا ہے

میر تقی میر کا بیان ہے کہ

"در شاہجہان آباد دہلی نیز آمدہ بود و بخدمت میاں گلشن رفت و از اشعار خود پارۂ خواند۔ میاں صاحب فرمودند این ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اند در ریختہ بکار ببر از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت"

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولی اس زمانہ میں دہلی آئے ہیں جبکہ شاہ گلشن وہاں موجود تھے سرخوش نے سنہ ۱۰۹۳ھ میں اپنا تذکرہ لکھا ہے اسکے مرتب ہونے سے تین چار سال پہلے سنہ ۱۰۸۹ھ یا سنہ ۱۰۹۰ھ کے قریب شاہ گلشن دہلی میں وارد ہوئے اور اس اعتبار سے ولی کے دہلی میں آنے کا زمانہ سنہ ۱۰۸۹ھ یا سنہ ۱۰۹۰ھ کے بعد قرار پاتا ہے -

ولی کا سنہ وفات فرہنگ آصفیہ میں سنہ ۱۱[illegible]ھ اور تذکرہ شعرائے دکن میں سنہ ۱۱۵۵ھ تحریر ہے ان میں آخر الذکر تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہم نے دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے جو ۵ جمادی الاول سنہ ۱۱۴۳ھ میں بمقام احمد آباد مکتوب ہوا ہے اور اسکے خاتمہ پر تحریر ہے "تمام شد دیوان ولی رحمۃ اللہ علیہ" اور اس جملہ سے ثابت ہے کہ ولی نے سنہ ۱۱۴۳ھ سے پہلے

وفات پائی ہے۔

مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا کا بیان ہے کہ ولی نے دیوان کے علاوہ تصوف میں بھی ایک رسالہ نور المعرفت لکھا ہے لیکن وہ نا پید ہوگیا ہے۔ اس وقت صرف دیوان ملتا ہے جسمیں زیادہ حصہ غزلیات کا ہے آخر میں چند مستزاد، مخمس، ترجیع بند، اور دو تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ پروفیسر ٹاسی نے دیوان کو سنہ ۱۸۳۴ء میں بمقام پیرس نہایت اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اسکے بعد سنہ ۱۸۶۸ء میں بمقام لکھنؤ مطبع منشی نولکشور میں چھپا۔ قریب قریب اسی زمانہ میں اسکا ایک اور ایڈیشن بمبئی میں شایع ہوا لیکن یہ سب ایڈیشن اس وقت کمیاب ہیں حال میں ابراہیم ساپانی نے جو دکن کالج پونہ میں فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اس دیوان کو دہلی میں چھپوا کر شائع کیا ہے اور اسکی ابتدا میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جسمیں ولی کے حالات اور اسکی شاعری پر تبصرہ تحریر ہے۔

تذکرہ شعرائے دکن اور گل رعنا کے مصنفین نے روضۃ الشہدا کو ولی اورنگ آبادی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ ولی دکھنی کی تصنیف ہے اور اس کا تذکرہ ہم نے اس سے پیشتر صفحہ ۹۴ تحریر کردیا ہے۔

ٹاسی جلد سوم صفحہ ۲۸۱ تذکرہ یوسف علی مرشد آبادی (اسپرنگر صفحہ ۲۰۶) میر تقی میر حسن صفحہ ۲۰۴ سخن شعرا صفحہ ۵۵۶ گلشن ہند صفحہ ۱۷۵ گلشن بیخار صفحہ ۲۴۳ گلستان سخن ران صفحہ ۲۸۱ تذکرہ شعرائے دکن صفحہ ۱۱۳۴ گل رعنا صفحہ ۸۲ آب حیات صفحہ ۸ چمنستان شعرا نسخہ قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ

داؤد

مرزا داؤد نام اور اورنگ آباد وطن ہے ولی کے معاصر ہیں سنہ ۱۱۶۸ھ میں انتقال کیا ہے۔ لچھمی نارائن شفیق نے انکے حالات اپنے تذکرہ میں انکے فرزند مرزا جمال اللہ عشق کی زبانی لکھے ہیں اور وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے جس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

گو برفتہ میرزا داؤد فانی از جہاں

انکا ایک چھوٹا سا دیوان ہماری نظر سے گزرا ہے جسمیں کم و بیش پانچسو اشعار ہیں جن سے انتخاب کرکے ہم ذیل میں تین شعر نقل کرتے ہیں۔

اس صنم کے خیال ابرو نے
ناتواں مجکو جوں ہلال کیا

مرا احوال چشم یار سے پوچھ
حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

چاندنی کی سیر کو کس طرح نکلے وہ صنم
دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

میر تقی صفحہ ۱۱۱ سخن شعرا صفحہ ۱۵۷ گل رعنا صفحہ ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن صفحہ ۲۳۶

سراج

سید سراج الدین نام ہے اورنگ آباد کے مشائخین سے تھے سنہ ۱۱۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ میر تقی اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں لکھا ہے کہ سید حمزہ دکنی کے شاگرد تھے لیکن جو تذکرے اہل اہل اورنگ نے لکھے ہیں ان میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ خود آزاد نے اسکا کہیں ذکر کیا ہے۔

سراج نے اردو اور فارسی کے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں جنمیں غزل، قصیدے، رباعی، مستزاد، مخمس، واسوخت، جملہ اصنافِ سخن موجود ہیں بوستانِ خیال کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو سنہ ۱۱۴۷ھ میں تمام ہوئی ہے اسکے علاوہ اپنے دواوین کا ایک انتخاب سنہ ۱۱۵۱ھ میں مرتب کیا ہے۔ یہ انتخاب جب تمام ہوا ہے تو انکی عمر ۲۴ سال کی تھی اور اس حساب سے سنہ ۱۱۲۷ھ ان کا سن ولادت ثابت ہوتا ہے۔ سراج نے ایک غزل میں منتخب دیوان کی تاریخ و ترتیب اور عمر کو اسطرح بیان کیا ہے۔

جب کیا جزوِ پریشانِ سخن شیرازہ بند　　تھے برس چوبیس میری عمرِ بے بنیاد کے
سالِ ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و یک　　واقفِ علمِ لدنی صاحبِ ارشاد کے
اے سراج اس منتخب دیوان کو لکھے سب ریختے　　خامہ مژگان جو باسیں ہیں قابلِ صیاد کے

میر حسن صـ۱۰۶ میر تقی صـ۱۰۱ گل رعنا صـ۸۹ سخن شعرا صـ۲۱۲ تذکرہ شعرائے دکن صـ۴۸۲ - لسان العصر جلد اول نمبر ۵ صـ۳۳

دہلی میں زبانِ اردو

اردو زبان دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حاصل کرلی تھی اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہو گیا تھا برخلاف اسکے ہندوستان میں بارہویں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض بات چیت اور لین دین تک محدود تھی مولانا جمالی[1] ملا نوری[2] اور شیخ سعدی[3] وغیرہ نے اگرچہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھے فارسی اور آدھے اردو میں ہیں لیکن یہ باقاعدہ اور علمی شاعری نہ تھی۔ اسلئے اسے ہم اردو شاعری کا سنگ بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

شاہ جہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) کا عہد اردو کے لئے مبارک عہد تھا۔ اس عہد میں اردو زبان بات چیت سے گزر کر خط و کتابت تک ترقی کر چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی ضرورت کے وقت اس میں خط و کتابت کیا کرتے تھے جس زمانہ میں شجاع اور اورنگ زیب بر سر پیکار تھے تو شاہ جہاں نے ایک شقہ شجاع کو لکھا۔ یہ شقہ کسی طرح اورنگزیب

[1] مولانا جمالی۔ شہنشاہ بابر کے معاصر تھے ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ دہلی میں انکا مزار ہے۔

[2] ملا نوری اعظم پور کے باشندے تھے۔ اکبر کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ملا فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے۔ میر حسن نے انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔ جو آدھا اردو اور آدھا فارسی ہے۔

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد		بیچارہ نوری نہ کرے جنہ ڈرے ہے

[3] شیخ سعدی۔ ان کے لئے ضمیمہ اول ملاحظہ کیجئے۔

کو ملگیا اور اسکی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جسمیں لکھا ہے۔

"آں فرمانِ عالی کہ درزبان ہندی از دستخط خاص رقمی فرمودہ شاہد

ایں معانی است[1]

عالمگیر اورنگ زیب (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ) کے رقعات فارسی میں ہیں لیکن اُن میں کثرت سے اردو الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً

"در ارسال ڈالی انبہ بہ تلافی مافات کوشند"

"دریں ضمن کرسی کچکڑہ نیز بہ نظر گذشت"

"مزہ کھچڑی بریانی شما در زمستان یاد می آید"

"وچار گھڑی روز ماندہ باز دیوان عام می فرمودند"

"شما دیا نہ فتح میزا زند و حرف ایام طفولیت یاد دارند کہ باباجی دھوں دھوں"

اس زمانہ میں دربار و اہل دربار کی زبان فارسی تھی سلطنت کا دفتر فارسی میں تھا تصنیف و تالیف خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی تھی۔ باوجود اسکے شاہ جہان کا اردو میں شقہ لکھنا اور عالمگیر کا اپنے رقعات میں اردو الفاظ استعمال کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اردو زبان اس زمانہ میں ملک کی عام زبان ہوگئی تھی۔ بازار سے شاہی محلات تک خاص و عام اسکو بولتے اور سمجھتے تھے۔

قریب قریب اسی زمانے میں اہل ہندوستان کو اردو لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا اولا عبدالواسع ہانسوی

[1] عالمگیر کی یہ عرضداشت دستور العمل آگہی میں موجود ہے۔ ۱۲

نے (جنکی قواعد فارسی اور گلستاں بوستاں کی شرحیں نہایت مشہور ہیں) عالمگیر کے زمانہ میں اردو و ہندی الفاظ کا ایک لغت مدون کیا اور اس کا نام غرائب اللغات رکھا الفاظ کے معنی فارسی میں لکھے۔ ایک عرصے بعد سراج الدین علیخان آرزو المتوفی سنہ ۱۱۶۹ھ نے اس کی نظر ثانی کی۔ بہت سے الفاظ اور معنی اضافہ کیئے۔ غلطیاں درست کیں اور اُسے نوادر الالفاظ کے نام سے موسوم کیا۔[1]

(فارسی اور اردو زبان) عالمگیر کے زمانہ سے دلی میں اردو شعر گوئی نے رواج پایا اور بہت سے اسباب سے پہلے فارسی شعرا نے توجہ کی موسوی خان فطرت[2] مرزا عبدالقادر بیدل[3]۔ مرزا عبدالغنی قبول[4] وغیرہ وغیرہ فارسی کے نامور شاعر تھے لیکن کبھی کبھی تفریح خاطر اور تفنن طبع کے لیئے اردو

---

[1] ریو جلد دوم صفحہ ۵۰۱ جلد سوم صفحہ ۹۹۷ و صفحہ ۱۰۳۰ و صفحہ ۱۰۰۱

[2] میرزا معز الدین محمد موسوی خاں فطرت۔ مشہد مقدس انکا وطن ہے سنہ ۱۰۸۲ھ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے۔ عالمگیر کے امرا میں انکا شمار ہوتا ہے۔ فارسی کے نامور شاعر ہیں سنہ ۱۱۰۱ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۶۳۳ خزانہ عامرہ صفحہ ۴۲۹ سرو آزاد صفحہ ۱۲۶ نتائج الافکار صفحہ ۳۹۵

[3] میرزا عبدالقادر بیدل۔ عظیم آباد پٹنہ ان کا وطن ہے۔ شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے سنہ ۱۱۳۳ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد صفحہ ۱۴۸ نتائج الافکار صفحہ ۷۵)
میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں انکے دو شعر نقل کیئے ہیں۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں　　　اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آنکر پکارا　　　پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

[4] میرزا عبدالغنی قبول۔ کشمیر ان کا وطن ہے شاہ جہاں آباد میں رہا کرتے تھے مرزا بیدل کے شاگرد ہیں سنہ ۱۱۳۹ھ میں انکا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد صفحہ ۱۹۱) نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ میں انکا ایک شعر نقل کیا ہے۔

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن　　　تاریک شب میں جیسے کرے پاسباں پہر

میں بھی دو چار شعر لکھ لیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصہ تک یہ ہی کیفیت رہی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جلوس کے دوسرے سال ۱۱۳۳ھ میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا۔ اہل دہلی نے اسکی خوب قدر کی۔ اس قبولیت عام کو دیکھا تو بہت سے اشخاص شعر گوئی کی جانب متوجہ ہوگئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے پایہ تخت میں شعرائے اردو کا گروہ کثیر پیدا ہوگیا۔ منجملہ انکے جن شعرا نے شہرت حاصل کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

شاہ مبارک آبرو۔ ان کا نام نجم الدین ہے شیخ محمد غوث گوالیری کی اولاد سے ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے ایام حکومت میں بمقام شاہجہان آباد ان کا انتقال ہوا ہے۔[۲]

شیخ شرف الدین مضمون۔ آگرہ کے علاقہ میں بمقام جاج مو ان کی ولادت ہوئی ہے۔ زمانہ شباب میں آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے زینت المساجد میں رہا کرتے تھے شیخ فرید الدین گنج شکر کی اولاد سے ہیں۔[۳]

محمد شاکر ناجی۔ شاہ جہان آباد کے باشندے اور نواب عمدۃ الملک محمد امیر خاں کے متوسل تھے۔ شاہ مبارک آبرو کے معاصر ہیں ۱۱۶۰ھ میں انکا انتقال ہوا ہے۔[۴]

---

[۱] رسالہ تحقیق زبان ریختہ ص
[۲] میر تقی ص۵ میر حسن ص۲۳ گلشن ہند ص۲۵ گلشن بیخار ص۶ سخن شعرا ص۳
[۳] میر تقی ص۱۰ میر حسن ص۱۶۹ گلشن ہند ص۱۶۰ گلشن بیخار ص۱۸ سخن شعرا ص۲۴۷
[۴] میر تقی ص۲۳ میر حسن ص۱۹۹ گلشن ہند ص۲۰۱ گلشن ص۲۳ سخن شعرا ص۵۸۷

مصطفےٰ قلی خاں یکرنگ ۔ شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا
خان جہاں خاں لودھی کے نبیرے اور محمد شاہ بادشاہ کے درباری
منصبدار تھے ۔ دہلی میں انکا انتقال ہوا ہے۔[1]

شیخ ظہور الدین حاتم ۔ شاہ جہاں آباد انکا وطن تھا ۔ عمدۃ الملک
نواب امیر خاں کے مصاحب اور مرزا سودا کے استاد تھے انکے دو دیوان
ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید زبان میں ۱۱۹۶ھ میں بمقام دہلی انکا انتقال
ہوا ہے[2]

اشرف علیخاں فغاں ۔ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور مرزا
علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے ۔ احمد شاہ درّانی کی فوج کشی کے بعد
دہلی سے عظیم آباد چلے آئے اور یہاں راجہ شتاب رائے کی مصاحبت
اختیار کر لی ۱۱۸۶ھ میں بمقام عظیم آباد انتقال کیا[3]

یہ شعرا دور اول کے تھے اس کے بعد دور ثانی شروع ہوتا ہے ۔ اس
دور کے نامور شعرا میں مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۹۵ھ) مرزا سودا (۱۱۹۵ھ)
میر تقی میر (۱۲۲۵ھ) خواجہ میر درد (۱۱۹۹ھ) میر سوز (۱۲۱۳ھ) قیام الدین قائم
(۱۲۱۰ھ) انعام اللہ خاں یقین احسن اللہ خاں بیان (۱۲۱۳ھ) وغیرہ
نے شہرت و ناموری حاصل کی ہے۔

---

۱ میر تقی ص۱۰۲ میر حسن ص۲۱۷ گلشن ہند ص۱۹۵ گلشن بیخار ص۲۳۳ سخن شعرا ص۵۰۸
۲ میر تقی ص۷۹ میر حسن ص۷۸ گلشن ہند ص۸۱ سخن شعرا ص۱۲۰
۳ میر تقی ص۸۸ میر حسن ص۱۲۲ گلشن ہند ص۱۳۱ سخن شعرا ص۳۶۹

نثر اردو

آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قریباً تیس سال پہلے دکن میں نثر اردو کی ابتدا ہو چکی تھی شیخ عین الدین گنج العلم المتوفی ۷۹۵ھ کے رسالے[1] خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ کا رسالہ معراج العاشقین[2] نشاط العشق کا ترجمہ یہ سب آٹھویں اور نویں صدی کے درمیانی زمانہ میں تصنیف ہوئے ہیں اور ان سے نثر اردو کی قدامت کافی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

شیخ عین الدین کے رسالے مذہبی احکام و مسائل کے متعلق ہیں اور ان کا ایک مجموعہ قلعہ سینٹ جارج کی کالج لائبریری میں موجود تھا[3]۔

مولوی عبد الحق صاحب بی۔اے نے معراج العاشقین کی تصحیح کی ہے اور اس پر ایک فاضلانہ دیباچہ بھی لکھا ہے[4]

---

۱ مضمون ہذا صفحہ ۴۳
۲ مضمون ہذا صفحہ ۴۴
۳ مضمون ہذا صفحہ ۴۴
۴ نسخہ معراج العاشقین مع دیباچہ تاج پریس میں چھپا ہے اور تاج کے اسی نمبر میں شائع ہوگا۔

نہیں ہے بلکہ تصوف کی کتاب ہے۔ تاہم اس سے اُس زمانے کی زبان کا
تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے۔

میراں جی شمس العشاق

شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں
آپ خواجہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ صاحب نے
شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل کی تھی۔ شیخ
جمال الدین۔ خواجہ بندہ نواز کے خلفا سے تھے۔ مرزا فصیح الدین
خاکسار المعروف بہ بابا بھنجل جو تصوف اور شعر و سخن میں سرآمد روزگار
اور دکن کے امیر خسرو تھے۔ آپ ہی کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ہیں۔[1]

جل ترنگ و گل باس

حضرت میراں جی نے نثر اردو میں کئی رسالے لکھے ہیں اور
ان میں تصوف کے اسرار و نکات بیان کئے ہیں۔ منجملہ ان کے
دو رسالے ہمنے بھی دیکھے ہیں ایک کا نام جل ترنگ اور دوسرے کا
گل باس ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں اور شاہ صاحب نے
ان میں تصوف کے بعض دقیق مسائل تمثیل کے پیرائے میں بیان کئے ہیں۔

سب رس

سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں
ایک بزرگ مولانا وجہی گزرے ہیں۔ انکی سکونت گولکنڈہ میں تھی اور
شاہی دربار سے بھی تعلق تھا۔ ۱۰۴۵ھ میں انہوں نے ایک کتاب سب رس
کے نام سے نثر اردو میں لکھی ہے اسکی عبارت اول سے آخر تک مسجع و مقفیٰ
ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولانا وجہی نے اسکے لکھنے میں ملا ظہوری

---

[1] روضۃ الاولیائے بیجاپور ص۱۲۱ و تاریخ خورشید جاہی ص۱۸۳

کی سہ نثر کی تتبع کی ہے۔ جو ابراہیم عادلشاہ ثانی کے نورس نامہ پر بطور دیباچہ لکھے گئے ہیں۔

سب رس کی بنیاد ایک فارسی کتاب پر رکھی گئی ہے جو حسن و دل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا افسانہ ہے۔ اسکے ضمن میں مولانا وجہی نے اخلاق و تصوف اور پند و موعظت کے بہت نکات بیان کیے ہیں جسکے باعث یہ ایک ضخیم کتاب ہوگئی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب بی اے۔ نے سب رس کے متعلق ایک فاضلانہ مضمون لکھا ہے اور اسمیں کتاب کے مصنف، مضامین، زبان اور دیگر متعلقات پر خوب بحث کی ہے۔ یہ مضمون اکتوبر ۱۹۲۴ء کے رسالہ انجمن ترقی اردو میں شایع ہوا ہے۔

حسن و دل کے افسانہ کو ذوقی اور مجرمی نے اردو میں منظوم کیا ہے۔ یہ دونوں شاعر دکھنی ہیں اور مولانا وجہی کے بعد گزرے ہیں مولوی عبدالحق صاحب بی اے نے انکی نسبت بھی ایک مضمون لکھا ہے جو جولائی ۱۹۲۵ء کے رسالہ انجمن ترقی اردو میں شایع ہوگا۔

شیخ برہان الدین غریب حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفائے عظام سے ہیں۔ آپ اپنے مرشد کے حکم سے سات سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر دولت آباد میں سکونت اختیار کی اور اسی جگہ ۱۲ صفر ۷۴۱ھ کو انتقال فرمایا۔[1]

شیخ برہان الدین غریب

[1] مراۃ الاسرار

آپ کے مریدوں میں شیخ رکن الدین بن عماد کاشانی ایک مشہور مصنف گزرے ہیں انہوں نے ایک کتاب میں اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اسکا نام نفائس الانفاس رکھا ہے اسکے علاوہ ایک ضخیم کتاب شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیاء کے نام سے لکھی ہے[1] اسکے مضامین عربی فارسی کی سو سے زیادہ کتابوں سے ماخوذ ہیں اور انہیں چار اقسام کے تحت میں بیان کیا ہے۔

سنہ ۱۰۰۰ھ کے بعد یا سلطنت قطب شاہی کے انقراض (۱۰۹۸ھ) سے دس پندرہ سال پہلے ایک دکھنی بزرگ میراں یعقوب نے اسکا ترجمہ زبان دکھنی میں کیا ہے[2] یہ ترجمہ نہایت صاف و سادہ زبان میں ہے مترجم نے کتاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے۔ مضامین اور ان کی تقسیم اصل کے بالکل مطابق ہے۔

مصنف نے کتاب کے مضامین چار اقسام پر تقسیم کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا قسم۔ طریقت کے لوگاں کے افعال ہور سالکاں کے مقاماں ہور مریداں ہور طالباں کے طلباں، ہور سالکاں کے مجاہدات، ہور باریکیاں کی
کی شرح میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا قسم حقیقت کے لوگاں یعنے پیغمبراں ہور خاص الخاص لیاں کے بیان میں۔

---

[1] شمائل الاتقیاء کے لئے دیکھیے ایتھے نمبر (۱۸۳۶)

[2] یہ ترجمہ کتب خانہ آصفیہ میں فن تصوف کے نمبر (۳۶۶) پر موجود ہے ۱۲

تیسرا قسم ۔ خدا کے پانچو وجود، ہور ذات کی چگونگی کا، ہور ازل ہور ابدالاباد کے بیان کا، ہور امر ہور حکم، ہور قضا ہور قدر کے نازکیاں کا ہور تجھ کے جنس جنس کے لوازماں کا بیان۔

چوتھا قسم ۔ حضرت آدم کی پیدایش کا، ہور صفتاں کا، ہور دنیا کے بڑیاں کا، ہور گنہگار بندگان امیدواران ہور اینو کے ہیں خدا کے عنایات کا بیان۔

رائچور میں جسکا نام عالمگیر نے فیروز نگر رکھا ہے[1] ایک خاندان نور دریا کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے مورث اعلی شاہ [illegible] قادری[2]۔ بیجاپور کے باشندے اور شیخ امین الدین اعلی[3] کے [illegible] المتوفی ۱۰۸۵ھ [illegible] تھے عالمگیر کے زمانے میں گزرے ہیں آپ نے زبان دکنی میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں چنانچہ ایک مجموعہ میں ہم نے آپ کے دو رسالے دیکھے ہیں۔ جن میں مسائل وحدۃ الوجود اور قضا و قدر پر بحث ہے۔

قریب قریب اسی زمانہ میں ایک بزرگ سید شاہ میر نام [illegible] راجوری میں گزرے ہیں۔ آپ نے بھی ایک رسالہ مسائل توحید کی نسبت لکھا ہے اور اسکا نام اسرار التوحید رکھا ہے[4]۔

[1] مآثر عالمگیری ص [illegible]
[2] تذکرۂ اولیائے [illegible]
[3] شیخ امین الدین اعلی کے حالات کے دیکھئے مضمون ہذا ص [illegible]
[4] یہ رسالہ میرے کتب خانے میں موجود ہے ۱۲۰

یہ مختصر سرگذشت ہے اُن تصنیفات کی جو نثر اردو میں گیارہویں صدی کے خاتمہ تک دکن میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے بعد کا زمانہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اسلئے اُن تصنیفات کے حالات کو ہم قلم انداز کرتے ہیں جو بارہویں صدی میں تصنیف ہوئی ہیں۔ تاہم اسقدر بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بہ نسبت عہد سابق کے بہت زیادہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں لیکن ان میں ادبی کتابیں ایک دو سے زیادہ نہیں اور باقی جسقدر ہیں وہ سب تصوف اور مسائل دین سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمالی ہند میں نثر اردو کی ابتدا

شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا بارہویں صدی سے شروع ہوئی ہے اور سب سے پہلی کتاب جو نثر اردو میں لکھی گئی ہے وہ مولانا فضلی کی دہ مجلس ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۱۴۵ھ میں تمام ہوئی ہے[1] اسکے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ کیا[2]۔ قریب قریب اسی زمانہ میں عطا حسین تحسین نے نوطرز مرصع لکھی[3]۔ یہ سب اردو کی ابتدائی کتابیں تھیں۔

انہیں ایام میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قایم ہوا اور انگریزوں کو اردو سکھانے کے لئے ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے نثر اردو میں متعدد کتابیں لکھوائیں اسکے بعد نثر نویسی کو رواج عام حاصل ہوگیا[4]۔

---

[1] آبحیات صـ۲۱

[2] گلشن ہند صـ۱۴۵

[3] تذکرہ خوشنویساں صـ۱۳۸ یہ کتاب شجاع الدولہ بہادر (۱۱۶۶ھ تا ۱۱۸۸ھ) کے زمانہ میں تمام ہوئی ہے اسمیں چہار درویش کا قصہ [illegible]

[4] فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمایش سے نثر اردو میں جسقدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں انکی مفصل کیفیت مضامین ذیل میں دیکھیے۔ دیباچہ گلشن ہند نوشتہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے از صـ۲ تا صـ۶ گل رعنا صـ۲۳۶ تا صـ۲۳۰ اردو زبان اور اہل یورپ نوشتہ مولوی عبدالحق بی اے مندرجہ رسالہ انجمن ترقی اردو بابتہ جولائی سنہ ۱۹۲۴ء از صـ۱۹ تا صـ۵

ضمیمہ اوّل

شیخ سعدی

متعلقہ صفحہ (۱۰۲)

اُردو کے شعرائے قدیم میں ایک بزرگ شیخ سعدی گزرے ہیں تذکرہ نویسوں نے انکے نام سے ابیات ذیل نقل کیے ہیں۔لہ

قصہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا ریت ہے ‏ — گفتا ورائے باورے اس ملک کی یہ ریت ہے

اے مردمان شہر شما ـ کتنی بڑی یہ ریت ہے ‏ — ہے ہے نئی پرسد کسے پردیسیا ماریت ہے

ہم نا متن کو دل دیا ـ تم دل لیا اور دکھ دیا ‏ — ہم یہ کیا، تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے

دو نین کی کھڑکی لیوں، رو رو بچوں دل کر لیا ‏ — پیش نگہ کو بیت دھر و پیا سا آمیت ہے

سعدی کہ طرح انگیختہ شیر و شکر آمیختہ ‏ — در ریختہ، در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

بعض تذکرہ نویسوں نے ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی سے منسوب کیا ہے چنانچہ قائم چاندپوری اپنے تذکرہ مخزن نکات میں لکھتے ہیں۔

"اتفاق بعضے از مورخین بر آن است کہ چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس اللہ سرہ در ہنگام سیر و سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند و مجاورت سومنات چنانکہ در نسخہ بوستان خود شرح ایں قصہ بر آں فرمودہ اند کردند و لحظے بر زبان ایں دیار وقوف یافتہ یک دو بیت ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد بر سبیل تفنن بقید نظم در آوردہ بعد ازاں حضرت امیر خسرو بر ہماں بنا طرح و لغزہائے بسیار بکار بردند۔ انصاف ایں است کہ سلیقہ سخن سنجی آں وقت دور از فصاحت ریختہ گویاں حال است و از ہر بار ... حالا ـ لیکن بپاس طبیعت مشتاقان ایں فن دو سہ چہار بیت از آں ابیات تبرکاً و تیمناً درمیں مقام قلمی میگردد و آنکہ آثار و احوال ہر دو بزرگ وار چہ نویسد کہ مورخان سلف در کتب تاریخ متداول ضبط نمودہ اند و اظہر من الشمس و ابین من الامس است"

لہ یہ اشعار نکات الشعرا اور مخزن نکات سے منقول ہیں ۱۲

بعض تذکرہ نویسوں کی رائے میں سعدی ریختہ گو سعدی شیرازی کے علاوہ ہیں اور انہیں دکن کا باشندہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ میر تقی کا بیان ہے۔

"سعدی دکھنی انچہ بعضے ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است"

میر فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

"سعدی دکنی از شعرائے قرارداد دکن است و آنکہ بعضے اعزہ را بسبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ ریختہ ہائے سعدی دکھنی را از عدم اشنائی و قلت تتبع بنام سعدی شیرازی مرحوم ساختہ اند ناشی از جہل و تسامح است"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی ریختہ گو نہ تو سعدی شیرازی ہیں اور نہ انہیں دکن سے تعلق ہے۔ بلکہ یہ ہندوستان شمالی کے باشندے ہیں۔ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے ۱۰۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے ملا نظام الدین احمد کا بیان ہے کہ کاکوری کے رہنے والے تھے بختاور خاں نے لکھا ہے کہ:-

"طبع موزوں داشتے و بزبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتے"

ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں

"از مشائخ عظام است خلافت از پدر بزرگوار خویش شیخ محمد مرحوم داشت و شرح فارسی بر شاطبیہ نوشتہ تقریباً دہ جزو ... شیخ سعدی صاحب وجد و حال ذوقی بود و ظاہر و باطن صفا داشت دائم منبسط و منشرح بود و خوش وقت و آزاد زیستے یکے از احباب در مرثیہ او این رباعی نوشتہ بود:-

دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

وفاتش در سنہ ۱۰۰۲ اثنی و الف بود"

---

۱ طبقات اکبری ص ۹۵

ضمیمۂ دوم

طوطی نامہ[۱]

متعلق صفحہ ۵۶ و ۱۰۲

شکاسپتتی نام سنسکرت میں ایک کتاب ہے جسکے معنے ہیں "طوطے کی ستر کہانیاں" مولانا ضیاء الدین نخشبی[۲] نے ان ستر کہانیوں سے باون کہانیوں کا انتخاب کرکے فارسی میں انکا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ سنہ ۷۳۰ھ میں تمام ہوا۔

اسکی زبان چونکہ نہایت مشکل و مغلق تھی اسلئے فارسی میں اسکے متعدد خلاصے لکھے گئے علاوہ ازیں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہوا۔ چنانچہ اسکی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مولانا نخشبی کی کتاب کے خلاصے

(۱) شیخ ابوالفضل علامی نے دسویں صدی کے وسط میں سلیس و آسان فارسی میں اسکا خلاصہ کیا۔

(۲) ملا سید محمد قادری[۳] نے مولانا نخشبی کی باون حکایات میں سے پینتیس حکایات

---

۱ یہ خلاصہ ہے ہمارے ایک مضمون کا جو رسالہ مخزن بابت جولائی سنہ ۱۹۱۰ء میں "طوطا کہانی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اور جس میں ہم نے طوطی نامہ کی اصلیت اور اسکے مختلف تراجم کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔

۲ مولانا ضیاء الدین نخشبی بہت بڑے عالم اور فارسی کے بلند پایہ مصنف گذرے ہیں۔ بدایوں کے رہنے والے تھے سنہ ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے۔ طوطی نامہ کے علاوہ رسالہ سلوک، تشریح [illegible] وغیرہ بھی انکی مشہور و معروف تصنیفات ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں انکا تذکرہ لکھا ہے۔

انتخاب کرکے انہیں گیارہویں صدی میں شرفا کی روزمرہ فارسی میں لکھا۔

یہ خلاصے بھی طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ پہلا ایڈیشن دوسرا ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں اور ۱۸۰۱ء میں لندن میں چھپا ہے اسکے بعد بمبئی سے اسکے کئی ایڈیشن شایع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتا ہے

مولانا نخشبی کی کتاب کے تراجم

(۱) ترکی زبان میں بعہد سلطان سلیمان اعظم (۹۲۶ تا ۹۷۴) شیخ عبداللہ انصاری نے ترجمہ کیا جو ۱۲۵۲ھ میں بولاق میں اور ۱۲۵۶ھ میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے۔ جارج راسین George Rosen نے اس ترکی ترجمہ کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۵۸ء میں لیپزگ میں طبع ہوا ہے۔

(۲) دکھنی زبان میں دو ترجمے ہوئے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔

(۱) ترجمہ غواصی کا ہے جو ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے۔ اسکا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ترجمہ ابن نشاطی نے ۱۰۶۶ھ میں کیا ہے۔

(۳) انگریزی میں جیرانس Gairans نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۷۹۲ء میں لندن میں چھپا ہے

ملا سید محمد قادری کی کتاب کے تراجم

(۱) دکھنی میں ۱۱۴۲ھ میں ترجمہ ہوا۔ مترجم کا نام معلوم نہیں۔ اسکا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

(۲) اردو میں سید حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمایش سے ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء میں ترجمہ کیا اور طوطا کہانی نام رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر فاربس کے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے۔ ہندوستان میں اسکے بیشمار ایڈیشن شایع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتے ہیں۔

(۳) انگریزی میں گلاڈوین Gladwin نے ترجمہ کیا جو فارسی متن کے ساتھ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں چھپا ہے

(۴) جرمن میں پروفیسر ایکن Iken نے ترجمہ کیا جو ۱۸۲۲ء میں اسٹاٹگرٹ میں طبع ہوا

ریو صفحہ ۷۴۲ ایتھے نمبر ۷۴۳ و ۷۸۲۔ رینکر جلد اول نمبر ۷۳۰

طوطی نامے کے خلاصے اور ترجمے

سنسکرت (اصل)

خلاصے

- ابوالفضل علامی کا خلاصہ دسویں صدی
- سید محمد قادری کا خلاصہ گیارہویں صدی
  - دکھنی ترجمہ سنہ ۱۱۴۲ھ
  - انگریزی ترجمہ از گلاڈوین سنہ ۱۸۰۰ء
  - اردو ترجمہ سید حیدر بخش حیدری سنہ ۱۲۱۶ھ ۱۸۰۱ء
    - سندھی ترجمہ جسکا نام ہے شوق بہری سنہ ۱۸۸۶ء
  - جرمن ترجمہ پروفیسر ایکن سنہ ۱۸۲۲ء

ترجمے

- ترکی ترجمہ از عبداللہ ساری مابین سنہ ۱۰۲۶ھ سنہ ۹۷۴ھ
- دکھنی ترجمہ از ملا غواصی سنہ ۱۰۴۹ھ
- دکھنی ترجمہ ابن نشاطی سنہ ۱۰۶۶ھ
- انگریزی ترجمہ جیرارڈ سنہ ۱۷۹۲ء
- جرمن ترجمہ جارج روزین سنہ ۱۸۵۸ء

ضمیمہ سوم

حسن و دل

متعلقہ صفحہ ۱۰۹

حسن و دل فارسی لٹریچر کا ایک مشہور تمثیلی فسانہ ہے۔ اور اسکو نظم و نثر میں مختلف مصنفین نے تصنیف کیا ہے۔

(۱) **مولانا فتاحی** - ان کا نام محمد یحیٰی سیبک ہے سلطان شاہرخ مرزا (۸۰۷ سنہ ۸۵۰ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں۔ سنہ ۸۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کے کئی تخلص تھے۔ تفاحی فتاحی۔ اسراری۔ خماری۔ لیکن ان میں فتاحی زیادہ مشہور ہے۔ حسن و دل اور شبستان خیال انکی مشہور تصنیفات ہیں۔ حسن و دل نثر میں ہے اور زمانہ مابعد کے مصنفین نے اسکو اپنا نقش قرار دیا ہے۔

دولت شاہ طبع لاہور صفحہ ۱۸۱ - طبع بمبئی صفحہ ۱۸۱ طبع لیڈن صفحہ ۴۱۲ حبیب السیر جلد سوم جزو سوم صفحہ ۱۴۸

(۲) **مولانا صرفی** - نام صلاح الدین ہے ساوہ کے رہنے والے اور ملا محتشم کاشی کے شاگرد تھے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے اور کچھ عرصہ ملا نظام الدین احمد کے ساتھ گجرات میں بسر کیا پھر فیضی کیساتھ دکن چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ حسن و دل کو انہوں نے نظم فارسی میں لکھا ہے۔ یہ نہایت موثر اور زوردار مثنوی ہے۔

طبقات اکبری صفحہ ۴۰۳ بدایونی صفحہ ۳۵۵ آتشکدہ صفحہ ۲۲۶

(۳) **بیخود** - ملا جامی ان کا لقب ہے۔ لاہور کے رہنے والے تھے۔ عالمگیر اورنگزیب کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں نادر الخیال خطاب عنایت کیا تھا۔ تاریخ خوب کہا کرتے تھے سنہ ۱۰۸۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ حسن و دل کو انہوں نے بھی

نظم کیا ہے۔ نہایت اچھی مثنوی ہے اور ابتدا اسکی مصرعہ ذیل سے ہوتی ہے۔

"الٰہی بہ بستان بزم نیاز" سرخوش نے کلمات الشعرا میں انکے حالات لکھے ہیں۔

(۴) خواجہ محمد بیدل۔ یہ بزرگ شیخ عبدالقادر بیدل کے علاوہ ہیں اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں۔ انہوں نے حسن و دل کو نثر فارسی میں لکھا ہے "داغ دل بند" سے اسکی تاریخ نکلتی ہے۔ ابتدا کی پہلی سطر یہ ہے "گوہر بحر حمد و ثنا و جواہر معدن شکر و عطا نثار بارگاہ آں بادشاہ کشور حسن و جمال" ڈاکٹر ڈوورک نے مولانا فتاحی کے حسن و دل کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے اور اسے فارسی متن کے ساتھ چھپوایا ہے۔

Sitzungsberichte der Wiener Akademie Vol 118 No IV. Viene 1889

Neupersische Litteratur G.I.Ph. Vol. II, PP 334.